فتاویٰ نعیمیہ

مُصنّف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

۴۰۔ اردو بازار * لاہور

فتاویٰ نعیمیہ

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ
۴۰ اردو بازار لاہور

نام کتاب	فتاویٰ نعیمیہ (مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ)
مؤلفہ	حافظ محمد عارف صاحب فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات
صفحات	232
تصحیح کتابت	مولانا محمد اختر رضا القادری
ناشر	مکتبہ اسلامیہ 40- اردو بازار لاہور۔
کمپوزنگ	دوست ورڈ کمپوزرز۔ نیو انار کلی لاہور PH:-7324782
پرنٹرز	پیر بھائی پرنٹرز لاہور
تعداد	ایک ہزار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین فتاویٰ نعیمیہ مکمل

فتویٰ نمبر	عقائد	نمبر شمار
	مسجد مدرسہ	
8	بعد نماز مسجد کے دروازے پر نعرہ تکبیر بلند کرنا کیسا	47
13	دیوار مسجد سے خارج ہے یا داخل' مسجد کی توسیع کا حکم	48
34	مسجد میں چارپائی بچھاکر سونا' لالٹین جلانا اور اخبار بینی کرنا کیا	49
36	مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کیسا	50
48	چرم قربانی مسجد میں لگانا کیسا	51
67	مسجد کے صحن میں غسل خانہ بنانے کا حکم	52
2	انگریزی علم دینی مدرسہ میں پڑھانا	53
77	مدارس کے چندہ سے مزدوروں کو اجرت دینا کیسا	54
	نکاح	
3	دولھا سے رقم لیکر شادی پر خرچ کرنا کیسا	55
9	حاملہ کے نکاح کا حکم	56
15	شیعہ اور سنی کا نکاح حرام	57
23	روافض سے مناکحت' دوستی میل جول حرام ہے	58
43	مرتد بعد توبہ بیوی کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا	59
44	سنی کا نکاح دیوبندی سے نہیں ہو سکتا	60
46	عورت کے مرتد ہونے سے نکاح کا حکم	61
45	رسوم شادی کے بارے میں فتویٰ	62
53	بوقت نکاح خاوند کی شرائط لکھنے اور پورا نہ کرنے کا بیان	63
54	نانی کا کیا ہوا نکاح بالغہ ہونے پر فسخ کر سکتی ہے	64
56	حرمت اور غیر حرمت والی عورتوں کا بیان	65
60	مرزائی جج کے فسخ کئے ہوئے نکاح کا حکم	66
65	والدہ کا کیا ہوا نکاح بالغہ ہونے پر فسخ ہو سکتا ہے	67
76	جنگی قیدی نومسلم عورتوں سے نکاح کا حکم	68
79	جبری نکاح کا حکم	69
83	نکاح فاسد اور نکاح باطل کا حکم	70
84	خیار بلوغ کے فسخ میں حاکم کے فیصلے کا حکم	71

عرض ناشر

السلام علیکم! حکیم الامت مفتی **احمد یار خان صاحب نعیمی** رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور عالم **"فتاوی نعیمیہ"** آپ کے سامنے ہے یہ کتاب تقریباً ۲۵/ ۲۰ برس قبل شائع ہوئی تھی پھر اس کے بعد گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے اس کی اشاعت معرض عمل میں نہ آسکی اب ایک طویل عرصہ کے بعد نئی کمپیوٹر کمپوزنگ کروا کے انتہائی دلکش انداز میں پورے اہتمام کے ساتھ شائع کر کے تشنگان علم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے حضرت حکیم الامت کے "فتاوے" عالم اسلام میں جو اہمیت اور مقام رکھتے ہیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے اور ضرورت تھی کہ "**فتاویٰ نعیمیہ** کو بہر صورت شائع کیا جائے اللہ رب العزت کے فضل و کرم، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رحمت کے صدقہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ آپ حضرات فتاویٰ کی اہمیت کے ساتھ ساتھ کتاب کو ظاہراً" بھی خوبصورت پائیں گے یقیناً آپ کے جمالیاتی ذوق کی تسکین بھی ہو گی۔ انشاء اللہ

دعا فرمائیں اللہ بزرگ و برتر اسے ہمارے لئے وسیلہ بخشش بنائے۔ آمین

والسلام

افتخار احمد خان مفتی

بی۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ اے

مکتبہ اسلامیہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصا علی سید الانبیاء محمد ن المصطفیٰ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین○

موجودہ زمانہ میں مبارک ہیں وہ ہستیاں جن کی ذات جن کی زبان جن کے قلم مشعل راہ ہدایت ہیں اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان ہستیوں سے وابستہ رہ کر موجودہ زہریلی ہواؤں اور تاریکیوں سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ نہایت ہی خطرناک زمانہ ہے۔ کفر والحاد' بے دینی کی ایسی تیز آندھیاں چل رہی ہیں کہ ان سے خرمن ایمان سخت خطرے میں ہے۔

سرزمین گجرات خوش قسمت خطہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ صوفیاء و علماء کا مرکز رہا اور حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی کا وجود اہل سنت کے لئے خدا کی رحمت اور اہل گجرات کے لئے باعث فخر ہے۔ مفتی صاحب چار کام انجام دے رہے ہیں۔ درس قرآن کریم' تدریس' فتاویٰ' وعظ' درس اور وعظ کا کچھ حصہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا۔ تفسیر نعیمی کے تین پارے آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اسی طرح مواعظ نعیمیہ کی دو جلدیں آپ کے مطالعہ سے گزر چکی ہوں گی۔ مجھے عرصہ سے فکر تھی کہ حضرت کے فتاویٰ بھی شائع ہو جاویں۔ مگر ہر کام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ موقع نہ ملا' ادھر دشواری یہ پیش آگئی کہ تمام فتاوے لکھے نہ گئے۔ سالانہ سینکڑوں فتوے جاری ہوتے ہیں۔ مگر صرف دو چار قلم بند ہوتے ہیں۔ پھر ان جمع شدہ فتوؤں کا ایک بھاری ذخیرہ چاٹگام (بنگال) کے ایک صاحب نے ایسا پسند فرمایا کہ اسے لے کر خود غائب ہو گئے۔ پھر دوبارہ جو ذخیرہ جمع ہوا اس کا ایک حصہ ایک صاحب نے چھپوانے کے لئے لیا اور گم کر دیا۔ اس سے ہمت ٹوٹ گئی۔

بڑے فتاویٰ جو رسالہ کی حد تک پہنچ گئے تھے وہ ضرورت زمانہ کو محسوس کرتے

ہوئے علیحدہ علیحدہ کتابی شکل میں چھپوا دیئے گئے۔ چنانچہ سلطنت مصطفیٰ، قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء، رسالہ بیس رکعت تراویح، رسالہ یکدم تین طلاق، رحمت خدا بوسیلہ اولیاء، ایک اسلام وغیرہ اسی فتاویٰ کے حصے ہیں۔ جو کتابی شکل میں چھپ کر آپ تک پہنچ چکے۔ اتفاقاً" ایک فہرست میں **فتاویٰ نعیمیہ** کا اشتہار چھپ گیا۔ خلقت نے تقاضوں سے ہمیں سخت پریشان کر دیا کہ **فتاویٰ نعیمیہ** بھیجو۔ بعض صاحبوں نے قیمت پیشگی بھیج دی۔ اس لئے مجبوراً فتاویٰ جس حال میں تھا اسی طرح بے ترتیب شائع کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اور فتوے زیادہ کر کے ترتیب وار شائع ہو گا۔ ناظرین انتظار اور دعا فرماویں۔

محمد عارف
فارسی ٹیچر پبلک ہائی سکول گجرات

خطبہ جمعہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں کے پیش امام صاحب سے پہلے ہی لوگوں کو شکایت تھی کہ خطبہ بہت طویل پڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے نیا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ خطبہ سے پیشتر اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں نے محسوس کیا ہے کہ ان تقریروں میں علماء پر چوٹ طنزیہ جملے ذاتی جذبات کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر خطبہ شروع کیا۔ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہوا۔ یہاں لوگ اکثر نماز جمعہ کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ اس لئے یہ تاخیر ان کو زیادہ گراں پڑتی ہے۔ متولی اس سے منع کرتے ہیں کہ یا تو بعد عشاء یا بعد جمعہ یہ مضمون بیان کرو تاکہ نمازیوں پر بار نہ ہو۔ آیا یہ منع کرنا

درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

عبدالرزاق
مدرسہ محمدیہ راندیریہ رنگون

الجواب

بعون الملک العلام الوهاب:۔ امام صاحب کو متولیان مذکورہ کا ان امور سے روک دینا بالکل درست ہے بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ امام صاحب کا یہ طریقہ خلاف شرع ہے۔ خلاف شرع امور سے روکنا بہت ضروری ہے۔ خطبہ نماز سے بڑھادینا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے **ان طول صلٰوۃ الرجل وقصر خطبۃ سنۃ من فقهۃ فاطیلوا الصلٰوۃ واقصروا الخطبۃ** (مسلم) عالمگیری میں ہے۔ **الرابع عشر تخفیف الخطبتین بقدر سورۃ من طوال المفصل ویکرہ التطویل۔** خصوصاً جبکہ مسلمان طوالت سے گھبراتے ہوں۔ واعظ اور ناصح کو ضرور ہے کہ مسلمانوں کی رغبت کا خیال رکھے۔ اتنا دراز وعظ نہ کہے کہ مسلمان گھبرا جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ **لا تمل الناس هذا القران** (بخاری) لوگوں کو اس قرآن سے گھبرانہ دے یعنی اتنا وعظ نہ کہو کہ لوگ گھبرا جائیں۔ وعظ میں نرمی اور تلطف کا بہت لحاظ رہنا چاہیے۔ **کذافی الهندیۃ۔** لہٰذا امام صاحب کا یہ طریقہ کہ خطبہ طویل کریں۔ نیز لوگوں کو گھبرا دیں۔ نیز وعظ میں غیظ و غضب سے کام لیں۔ تمام کے تمام خلاف شرع ہیں ان کو خود ہی اس سے احتیاط کرنا چاہیے۔ اگر خود احتیاط نہ کریں تو ان کو روک دینا چاہیے۔ نیز خطبہ اردو یا کسی اور زبان میں عربی کے سوا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

احوج الناس الٰی حبیب الرحمٰن
احمد یار خاں نعیمی اشرفی

۱۹ ذی الحجہ یوم جمعہ مبارکہ ۱۳۵۷ھ

فتویٰ نمبر ۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا مدرسہ قائم کرنا جس میں دینی علوم سکھائے جائیں انگریزی تعلیم نیز صنعت و حرفت و تجارت درستی معاشرت و اخلاق کی تعلیم کا معیار بھی مقرر کیا جائے اور مغربی تہذیب و تمدن سے بچا کر طالب علم کو ایسا بنایا جاوے کہ دیسی اور دیس کا مداح ہو جائز ہے یا نہیں۔ جواب تسلی بخش ہو۔

محمد اکرم عمری مجددی
مہتمم مدرسہ ارشاد العلوم رامپور ریاست

الجواب

بعون الملک العلام الوهاب۔ بقدر ضرورت علم سیکھنا سخت ضروری ہے۔ ضرورت دنیاوی و دینی دونوں کو شامل ہے۔ یعنی دنیاوی و دینی ضروریات جس قدر علم سے پوری ہوں۔ سیکھنا ضروری ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ **فیتناول ما هر دینی کصلوٰۃ الجنازۃ وکالصنائع المحتاج الیها۔** اسی مقام پر ہے۔ **واما فرض الکفایة فی العلم فهو کل علم لا یستغنی عنه فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب الی ان قال واصول الضاعات والفلاحة کالحیاکة والسیاسة والحجامة۔** علم دین تو ہر مسلمان پر سیکھنا بقدر ضرورت فرض عین ہے۔ انگریزی بھی فی زمانہ ضروری ہو گئی کہ اس سے بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ صنعت و حرفت بھی اشد ضروری چیزیں ہیں کہ کسب حلال کا حدیث میں تاکیداً حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة** مرقات میں اسی کے ماتحت

ہے۔ **اذ کسب الحلال اصل الورع واساس التقوٰی**۔ نیز حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ **قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل کل بیع مبرور**۔ غرضیکہ حلال صنعتیں اور جائز پیشے ضروریات زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی پیشہ بغیر سیکھے نہیں آتا۔ اس لئے اس کا سیکھنا بھی ضروری۔ لہٰذا ایسی درسگاہ جس میں علوم دینیہ اور علوم انگریزی و صنعت و حرفت کی تعلیم ہو بہت ہی اچھی ہے اور قائم کرنے والا بہت اجر کا مستحق ہے۔ تعلیم انگریزی میں اس بات کا لحاظ رہے کہ طالب علم صاحب دین بنے۔ علی العموم انگریزی دان حضرات میں انگریزیت سرایت کر جاتی ہے کہ وہ دین سے اجنبی تو کیا دین اور اہل دین کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور جو نقصان کفار نہ پہنچا سکیں۔ یہ نادان دوست پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ صورت ہوئی۔ تو سخت حرام اور اس کی معاونت کرنے والا مجرم ہو گا۔ اگر دین کا صحیح جذبہ رکھتے ہوئے انگریزی تعلیم حاصل کی جاوے۔ تو انگریزی دان' دین کو اس سے بہت فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح صنعت و حرفت والا اپنی ضروریات میں دوسروں کس دست نگر نہ ہو گا۔ **واللہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم**

احمد یار خاں نعیمی اشرفی عفی عنہ

۱۹ ذی الحجہ یوم جمعۃ المبارک ۱۳۵۷ھ

فتویٰ نمبر ۳

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید نے اپنی لڑکی کے نکاح میں لڑکے والے سے کہا کہ مہر کے علاوہ بغیر قرض اگر آپ اس شرط پر روپیہ دیں گے تو میں برات کو کھانا کھلا سکتا ہوں' ورنہ نہیں' یہ روپیہ لینا جائز ہے یا حرام؟

محمد حسین' چاٹگام

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

الجواب

بعون الملک العلام الوھاب:۔ یہ سوال ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اگر روپیہ کی شرط پر نکاح کرتا ہے کہ بغیر اس کے ادا کئے نکاح ہی نہ کرے۔ تب تو یہ رشوت ہے اور رشوت لینا حرام ہے۔ در مختار میں ہے۔ **اخذ اھل المراۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ:۔** رد المحتار میں ہے **وکذا لولی انہ یزوجھا فللزوج الاسترداد قائما اوھالکا لانہ رشوۃ۔** اور اگر یہ روپیہ شرط نکاح نہیں ہے بلکہ ویسے دعوت کے لئے مانگتا ہے تو سوال ہے اور مہمانوں کی دعوت اتنی ضروری نہیں کہ اس کے لئے سوال جائز ہو۔ حدیث پاک میں ہے **ان المسئالۃ لا تحل الا لاحد ثلثۃ رجل تحمل حمالۃ فحلت لہ المسئلۃ حتی یصیبھا ثم یملک ورجل اصابتہ جائحۃ اوحاجۃ الحدیث۔** فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ پہلی صورت میں تو شوہر روپیہ واپس لے سکتا ہے۔ **کما ذکرنا** اور دوسری صورت میں واپس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ہدیہ تھا۔ اگرچہ اس کا مانگنا ناجائز تھا۔ ہاں اگر عرف اس پر قائم ہو کر لڑکے والے بطور خود لڑکی والے کے یہاں کچھ روپیہ وغیرہ دوسری چیز ہدیتہ" شادی کے پہلے یا بعد بھیجتے ہوں تو درست ہے کہ ہدایہ ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ **وکزاما یعطیھا من ذلک اومن دراھم ودنانیر صبیحۃ لیلۃ العروس فان کن ذلک تعورف فی زماننا کونہ ھدیۃ۔** واللہ اعلم۔

احوج الناس الی حبیب الرحمٰن

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

۱۵ ذی الحجہ یوم پنج شنبہ ۱۳۵۷ھ

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نبی کریم ﷺ کے صاع کا صحیح وزن اسی روپیہ سیر سے کیا ہے۔ یا سکہ رائج الوقت سے کتنے روپیہ بھر ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

صاع ۴ مد یعنی ۴ من عربی کا ہوتا ہے اور ایک مد، دو رطل کا اور رطل بیس استار کا اور ایک استار ۴ مثقال کا اور ایک مثقال ۴ ماشہ کا اس حساب سے صاع ۲۹۲ روپے بھر کا ہوا۔ جس کے ۸۰ کے سیر سے تین سیر ۱۰ چھٹانک ۲ روپیہ بھر کا ہوا۔ عالمگیری میں ہے۔ **والصاع ثمانية ارطال بالبغدادى والرطل البغدادى عشرون استارا الاستار اربعة مثاقيل ونصف۔** ردالمحتار میں ہے۔ **اعلم ان الصاع اربعة امداد۔ والمدر طلان ويالاستار والاستار اربعون والاستار بكسر الهمزة بالمثاقيل اربعة ونصف** ہمارے اس حساب سے رطل بغدادی ۳۶ روپیہ چند ماشہ بھر ہوا اور رطل کا صاع ہوتا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ رطل چالیس روپے بھر کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے صاع ۳۲۰ روپیہ بھر کا ہوا۔ جو کہ ۸۰ سیر سے ۴ سیر ہوا۔ لیکن یہ بات صرف مشہور ہی ہے نہ کہ تحقیقی۔

خیال رہے کہ صاع کے وزن میں ارد یا مسور کا اعتبار ہے کہ ان کا وزن گھٹتا بڑھتا نہیں۔ جب گیہوں یا جو سے حساب لگایا جائے گا۔ تو ایک صاع میں وزنی گیہوں زیادہ سمائیں گے اور ہلکے کم اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے صاع کا وزن احتیاطا" و تحقیقا" ۲۵۱ روپیہ بھر تجویز فرمایا ہے کہ وزنی سے وزنی گیہوں ایک صاع میں اتنا ہی آسکے گا۔ اس صورت میں زیادہ تو ادا ہو جائے گا مگر کم نہ ہو گا۔ اس لئے مسلمانوں کو

اسی پر عمل چاہیے ردالمحتار میں ہے۔ بناء علی تقدیر الصاع بالماش او العدس اماعلیٰ تقدیرہ بالحنطة اوالشعیر وھو الاحوط فیزید نصف الصاع علیٰ ذالک فالاحوط اخراج ربع مدشامی علی التمام من الحنطة الجیدة۔ اس تقدیر پر صاع بحساب اسی روپیہ کے چار سیر ۶ چھٹانک ۱ روپیہ بھر ہو گا۔ اسی حساب سے فطرہ نصف صاع گیہوں دیا جائے یعنی ۷۵ ۱ روپیہ اٹھنی بھر۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں نعیمی عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درود پاک میں آل سے مراد اولاد پاک و ازواج مطہرات و صحابہ کرام و جملہ مومنین ہیں یا صرف اہل بیت رسول کریم ﷺ، نیز یہ بھی تحریر فرمایا جائے کہ اہل بیت رسول اللہ ﷺ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ اور تمام ازواج مطہرات داخل ہیں کہ نہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

لفظ آل کی مراد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آل سے مراد حضور ﷺ کی اولاد پاک ہے۔ اور بعض کے نزدیک آل سے مراد اہل و عیال یعنی اولاد پاک و ازواج مطہرات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہر متقی آل ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہر مومن آل رسول اللہ ﷺ ہیں' قرآن کریم نے فرعون کے متبعین کو آل فرعون فرمایا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ال رجل' اھل و عیال وے راگویند و بمعنی اتباع نیز آمدہ و ظاہر آنست کہ مراد در حدیث بمعنی اتباع باشد و بعض آں را تفسیر باہل بیت کنند بمعنی کسے کہ صدقہ براو حرام است۔ حاشیہ مشکوۃ میں ہے۔ اختلفوا فی الال

من هم قیل من حرمت علیه الزکوٰة کبنی هاشم وبنی المطلب والفاطمة والحسن والحسین وعلی وقیل کل مومن فی اله صلی اللہ علیه وسلم وقال الشیخ عبدالحق ان ازواجه صلی اللہ علیه وسلم داخلة فی هذا الخطاب وال ایضاًیجئی بمعنی الاتباع وبهذا المعنی ورد الی کل مؤمن ومال الیه مالک ورحجه النووی فی شرحه المسلم۔ بہتر یہ ہے کہ درود پاک میں آل سے مراد عامہ مسلمین لئے جاویں کہ یہ معنی سب کو شامل ہے اور رحمت الٰہی بھی شامل۔ ہم بلاوجہ حجرات واسعا کے کیوں مصداق بنیں۔ صحیح یہ ہی ہے کہ اہل بیت رسول اللہ حضور کی اولاد پاک و ازواج مطہراۃ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اہل بیت کے لغوی معنی ہیں گھر والے۔ اور گھر دو طرح کے ہیں۔ خانہ ولادت و خانہ سکونت اولاد خانہ ولادت والے ہیں اور ازواج خانہ سکونت والے' اور بیت اس جگہ مطلق ہے۔ تو حضور کی اولاد پاک یعنی فاطمہ زہراء حسنین کریمین و دیگر اولاد پاک نیز حضرت علی و ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اجمعین سب ہی مراد ہوں گے۔

اشعتہ اللمعات میں حضرت شیخ علیہ الرحمتہ آیت انما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ "وحق آنست کہ ازواج مطہرات نیز داخل ایں خطاب اند زیرا کہ مسوق آیہ قرانیہ منادی است بدخول۔" مرقاۃ المفاتیح میں حدیث عترتی واهل بیتی کے ماتحت ہے۔ اراد بذالک نسله وعصابة الاذنین وازواجه۔ اشعتہ اللمعات میں ہے۔ فخر رازی گفتہ کہ اولیٰ آنست کہ گفتہ شود اہل بیت ازواج اولاد آنحضرت اند۔ قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام آل عمران ہے اس سورت میں عمران کی بیوی حسنہ اور بٹی مریم دونوں ہی کا قصہ مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ آل بیوی و اولاد کو شامل ہے۔ واللہ اعلم

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہر سال ماہ محرم میں تعزیہ بناتا ہے اور کبھی امامت بھی کرتا ہے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تم تعزیہ بنانا چھوڑ دو۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میں صناع ہوں۔ اپنی صنعت دکھاتا ہوں۔ تعزیہ نہیں بناتا ہوں تو کیا یہ عذر صحیح ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر تعزیہ میں جاندار کی تصویر نہ ہو بلکہ صرف روضہ مطہرہ امام الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقشہ ہو تو اس کا بنانا درست ہے۔ کیونکہ جاندار کی تصویر بنانا شرعاً" حرام ہے اور غیر جاندار کی مباح۔ مسلم، بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی۔ کہ **سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صبورۃ صورتا" نفسا" فیعذبہ فی جھنم قال ابن عباس فان کنت لابد فاعلا فاصنع الشجرۃ وما لا روح فیہ۔** ردالمحتار میں ہے۔ **الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان فصنعتہ حرام بکل حال۔** ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر جاندار کا نقشہ بنانا درست ہے۔ لہٰذا شخص مذکور اگر ایسا تعزیہ بناتا ہو جس میں کوئی تصویر نہ ہو تو جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی درست ہے ورنہ نہیں، تعزیہ بنانا اور چیز ہے اور تعزیہ داری کچھ اور، تعزیہ داری میں چونکہ باجہ کھیل کود اور فضول خرچی ہوتی ہے اس لئے حرام ہے اور چونکہ تعزیہ بنانا ان باتوں سے خالی ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ مروج تعزیہ داری حرام ہے اور صرف نقشہ بنانا جائز۔ واللہ اعلم

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرائے بیگم کی مسجد میں اب تک نمازی بہت ہی کم آتے تھے۔ اب دو ہفتہ سے نوجوانان محلہ نے اس کی کوشش کی کہ جو بالغ ہو اس کو نماز میں شرکت ضرور کرنا چاہیے۔ اس قسم کی پنچایت کی ہے۔ لہٰذا ہر نماز پنج گانہ کے بعد باہر دروازہ مسجد پر نعرہ تکبیر بلند آواز سے لگاتے ہیں تا کہ نمازیوں میں نماز کا ذوق پیدا ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ صبح و عشاء کی نماز کے لئے صلوٰۃ و سلام سے لوگوں کو بیدار کرتے ہیں۔ درمیان میں تکبیر کہتے جاتے ہیں۔ نیز بعض حضرات پیش امام بعد فرائض پنج گانہ کے قدرے بلند آواز سے کلمہ طیبہ تین بار مع مقتدیوں کے پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ پڑھنا منع ہے تین وجوں سے۔ اول یہ کہ بدعت ہے۔ دوسرے یہ کہ ذکر بالجہر ہے جو ممنوع ہے۔ تیسرے اس سے دعا طویل ہو جاتی ہے۔ جو منع ہے یہ دلائل درست ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ تمام کام جائز ہیں۔ نعرہ تکبیر بلند آواز سے کہنا تو جائز ہے کہ یہ ذکر الٰہی ہے اور جب نماز کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ہو تو اور بھی بہتر ہے قرآن کریم میں ہے۔ **فاذکروا اللہ قیامًا وقعودا وعلی جنوبکم۔** اس آیت کریمہ میں ہر حال میں ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا۔ نماز سے پہلے یا نماز کے بعد کی قید نہیں اس تکبیر کو روکنا ایک خیر کو روکنا ہے۔ جو بالکل غیر مناسب ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ **قیل لابی حنیفۃ ینبغی لاھل الکوفۃ وغیرھا ان یکبروا ایام العشر فی الاسواق والمساجد قال نعم قال الفقیہ ابوجعفر والذی عندی انہ لا ینبغی ان تمنع العامۃ عنہ لقلۃ رغبتھم فی الخیرو بہ ناخذ۔** (باب صلوٰۃ العید میں) نیز نماز کے لئے صلوٰۃ و سلام سے بیدار کرنا

بہت بہتر کام ہے کہ درود و سلام خود بہت عمدہ کام ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا **یاایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔** پھر اس میں نماز کی اطلاع جسے تثویب کہتے ہیں۔ نہایت بہتر کام ردالمحتار میں ہے۔ **احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامة علی حسب ما تعارفوا فی جمیع الصلوت سوی المغرب وماراه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن** اطلاع نماز کے لئے کوئی خاص الفاظ شرعاً مقرر نہیں جن کے سواء سے تثویب نہ ہو۔ بلکہ جو اہل عرف مقرر کرلیں۔ ان ہی سے تثویب ہے لہٰذا ان لوگوں نے جب صلوٰۃ و سلام کو اطلاع کے لئے مقرر کرلیا۔ تو یہی تثویب ہو گئی۔ ردالمحتار میں ہے۔ **کتنحنح اوقامت قامت اوالصلوٰۃ الصلوٰۃ ولواحد ثوا اعلامًا مخالفا لذالک جاز** اسی طرح بعد فرائض پنج گانہ کلمہ طیبہ بطریقہ مذکورہ پڑھنا جائز ہے۔ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اس سے منع کرنا جہالت ہے۔ ان تینوں اعتراضات کی بناوہم باطل پر ہے۔ یہ کس طرح بدعت ہو سکتا ہے۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا۔ **کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول الله صلی الله علیه وسلم بالتکبیر۔** معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ اور صحابہ کرام بعد فرائض باجماعت اس قدر آواز سے تکبیر فرماتے تھے جس سے اطراف کے گھر والوں کو ختم نماز کی خبر ہو جاتی تھی۔ نیز ذکر بالجہر مطلقاً ممنوع نہیں قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ **فاذکرو الله کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا** یعنی جیسے تم موقع حج پر مجمعوں میں اپنے خاندان کے مناقب گایا کرتے ہو اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کا ذکر کیا کرو۔ حدیث پاک میں وارد ہوا **وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه متفق علیه** جس سے صاف معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بہتر ہے۔ البتہ اگر ذکر بالجہر میں ریا کا خوف یا نمازی یا سونے والے کو تکلیف ہو تو آہستہ بہتر ہے۔ اسی توجیہ پر آیت **ادعوا ربکم تضرعًا و خفیةً۔** اور حدیث **خیر الذکر الخفی** وغیرہ محمول ہوں گی۔ ورنہ بالجہر ہی افضل ہے کہ اس

سے بہت فائدے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس سے قلب زندہ ہوتا ہے مسلمانوں کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے اور شیطان دفع ہوتے ہیں۔ ردالمحتار میں ذکر بالجہر والخفی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ **لانہ حیث خیف الریا اوتاذی المسلمین او النیام فان خلا مما ذکر فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اکثر علما۔ ولتعدی الفائدة الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر ویطر دالنوم ویزید النشاط۔ اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی قائم اومصل او نائم** اگر ذکر بالجہر مطلقاً منع ہو تو نماز میں قراۃ بالجہر اذان و تکبیر تلبیہ حج تمام اس قسم کے اذکار منع ہو جائیں گے کہ یہ سب ذکر بالجہر ہیں نیز یہ کہنا کہ دعا دراز ہو جاتی ہے، غلطی ہے۔ ذکر کی ہوئی حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نماز کے بعد تکبیر فرماتے تھے۔ نیز مسلم و بخاری کی روایت ہے۔ **کان یقول صلی اللہ علیه وسلم فی دبرکل صلوٰة مکتوبة لا اله الا اللہ وحده لا شریک** الخ ہاں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کہ **اذا سلم لم یقعد مقدار ما یقول اللهم انت السلام ومنک السلام** الخ نیز درمختار کا یہ مسئلہ کہ **یکره تاخیر السنة الا بقدر اللهم انت السلام** الخ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان میں بجز ان کلمات کے زیادہ توقف نہ کرے۔ ورنہ مکروہ ہو گا۔ لیکن اس سے یہ مقصد نہیں کہ مطلقاً زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ دو چار الفاظ ہی کی ہو بلکہ زیادہ دیر لگانا منع ہے۔ اور لمبی چوڑی دعائیں اور اذکار۔ ورنہ احادیث میں تعارض واقع ہو گا۔ شامی میں ہے۔ **وقول عائشة بهذا لا یضید انه کان یقول بذلک بعینه بل کان یقعد مقدار ما یسعه ونحوه من القول تقریبًا فلاینا فی ما فی الصحیحین من انه صلی اللہ علیه وسلم کان یقول فی دبر کل صلوٰة مکتوبة لا اله الا اللہ** الخ لہٰذا یہ تمام امور جائز بلکہ بہتر ہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی لڑکی اور عمرو کا لڑکا ان دونوں میں ناجائز تعلق پیدا ہوا۔ جس سے لڑکی حاملہ ہو گئی۔ چھ ماہ کے بعد فریقین کے والدین کو خبر ہوئی۔ نیز لڑکی حاملہ ہونے کی خبر ہوئی۔ والدین موجودہ حالت میں اس لڑکے کی شادی اس مذکورہ لڑکی سے کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا و توجروا

الجواب

یہ نکاح بھی جائز ہے اور بعد نکاح وطی بھی درست۔ اس لئے کہ یہ حمل زنا ہے۔ اس کی موجودگی میں نکاح جائز ہوتا ہے۔ ہاں اگر زانی کے سوا کسی اور سے نکاح ہوتا تو نکاح تو درست ہوتا۔ مگر وطی جائز نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ نکاح خود زانی سے ہوا ہے لہٰذا بعد نکاح وطی بھی درست ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وصح نکاح حبلیٰ مِنْ زنا لاحبلی من غیرہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع۔ اسی ردالمحتار میں ہے۔ لونکحھا الزانی حل لہ وطؤھا عالمگیری میں ہے وقال ابوحنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امراۃ حاملۃ من الزنا ولا یطؤھا حتیٰ یضع وفی مجموع النوازل اذا تزوج امراۃ قدزنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطاھا عند الکل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جو لپاہج اور نابینا ہے۔ ہر طرح کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ تو اس سے کونسی نافرمانی ہوئی ہے۔ جس کی یہ سزا ہے آریہ کہتا ہے کہ اس لڑکے نے پہلی جون میں قصور کئے تھے۔ جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ اس پر مسئلہ تقدیر پیش کیا گیا مگر وہ نہیں مانتا۔ اس کا جواب کیا ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

آریہ جس کا دعوے ہے کہ ہر جاندار موجودہ زندگی سے پیشتر دوسری زندگی میں تھا اس پر اس دعویٰ کی دلیل لانا ضروری ہے۔ جب تک کہ پچھلی جون دلیل سے ثابت نہ کرے۔ تو موجودہ تکالیف کو اس کی سزا کس طرح کہہ سکتا ہے۔ آریہ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اس کا دعوے محض باطل ہے۔ آریہ کا دعوے تناسخ قدم عالم پر موقوف ہے اور قدم عالم کا خود ہی ثبوت نہیں۔ تو تناسخ کا قدم کس سطح پر جمے گا اور اگر حسب عقیدہ آریہ کے عالم کو قدیم فرض کیا جائے اور ارواح و مادہ کو انادی یا قدیم مان لیا جائے تو صانع کا وجود (ایشور کی ہستی) کے ثبوت پر کیا دلیل ہوگی۔ بلکہ ایشور کا وجود محض وہمی ہو جائے گا۔ نیز جب روح و مادہ قدیم تو یہ تینوں یعنی ایشو و روح و مادہ باہم مساوات رکھتے ہیں۔ تو ایشور کی ان پر حکومت کیسی؟ اور ایشور کیوں ان کا حاکم بن بیٹھا اور اپنی مرضی کے خلاف کرنے پر روح و مادہ کو جو اس سے مستغنی ہے۔ مجرم کیوں قرار دیتا ہے۔ اور اگر بے وجہ حکومت کرتا ہے تو ظالم ہے۔ نیز آواگون ماننے کی تقدیر پر انقلاب حقیقت جو کہ محال ہے لازم آئے گا۔ یعنی ایک روح جب جسم انسانی میں تھی تو وہ ناطقہ تھی' بعد میں وہی روح جو جسم ہمارے میں آگئی' ناہقہ بن گئی۔ **وھو محال**۔ نیز روح کو اجسام ملنا اعمال پر موقوف ہے۔ اور اعمال بغیر جسم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دور لازم آئے گا۔ نیز اس

تقدیر پر خدائے پاک محض مجبور ہو گا نہ کہ فاعل مختار کہ روح اور مادہ جب خالی ہوں اور مادہ روح کے اعمال کے مطابق ہو تو اس میں خلط کر دے۔ ورنہ نہیں۔ حالانکہ ہم کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے۔

دوم تکلیف و مشقت کے سزا میں منحصر ہونے پر کون سی دلیل ہے۔ کیا ضروری ہے۔ کہ ہر تکلیف سزا ہی ہو۔ محنتوں کے اسباب کبھی وجوہ سابقہ ہوتے ہیں اور کبھی مصالح لاحقہ ایک بچہ کو مکتب بھیجتے ہیں۔ اور دن بھر پابند کر کے پڑھنے کی محنت ڈالتے ہیں۔ اس کو آزادی اور لذات دنیا سے محروم کر دیتے ہیں۔ تمام باتیں مشفق ماں باپ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ تو کون عاقل کہے گا کہ یہ اس کے گزشتہ گناہوں کا بدلہ ہیں۔ بلکہ حقیقت میں وہ آنے والی زندگی کی راحت کا پیش خیمہ ہیں۔ اسی طرح کسان دن بھر دھوپ میں جلتا ہے قیدیوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ مشقتیں کرتا ہے یہ کس جرم کی سزا ہے۔ علاوہ ازیں وید میں دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے اگر وید خدا کی کتاب ہے۔ تو تناسخ باطل ہو گیا۔ کیونکہ جب راحت و تکلیف کا مدار نیک و بد اعمال پر ہوا تو پرارتھنا (دعا) ایک لاحاصل چیز رہ گئی اور اگر پرارتھنا کام کی چیز ہے تو تناسخ باطل۔ نیز سب سے اچھے لوگ جیسے وہ لوگ جن پر وید اترا۔ ان کو دنیا میں ایسی جزاء ملنی چاہیے تھی کہ اس میں کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ حالانکہ دنیا میں ایسی زندگی کسی کی نہیں۔ جو خالص عیش کی ہو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عورتیں شلوار پہنتی ہیں۔ جس کی موری چوڑی ہوتی ہے۔ کہ پاؤں اٹھاتے وقت پنڈلی کھل جاتی ہے۔ آیا اس طرح کی شلوار جائز ہے، یا کہ نہیں اور عورت کی پنڈلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عورت کی پنڈلی ستر عورت ہے۔ جس کا چھپانا نماز و خارج نماز واجب ہے۔ حتیٰ کہ تنہائی میں بھی بلاضرورت کھولنا جائز نہیں۔ در مختار میں ہے۔ **و وجوبه عام ولوفی الخلوة علی الصحیح الالغرض صحیح۔** ردالمحتار میں ہے۔ **ای اذا کان خارج الصلوٰة یجب الستر بحضرة الناس اجماعا وفی الخلوة علی الصحیح۔** لہٰذا شلوار پہننے میں عورت کو چاہیے کہ یا تو پائنچہ کی موری تنگ رکھے یا بہت زیادہ خیال رکھے کہ پنڈلی کھلنے نہ پائے ورنہ گنہگار ہوگی۔ شلوار سے اگر یہ نقص دور کردیا جائے تو دیگر ان تنگ چمٹے ہوئے زنانہ پائجاموں سے بہتر ہے۔ جن میں بدن کا حجم معلوم ہوتا ہے کہ وہ پائجامہ پوری طرح ستر کا فائدہ نہیں دیتے اور ان پائجاموں پر سے بھی اجنبی شخص کو عورت کا حجم دیکھنا حرام ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ **رویة الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعة ولو کثیفا لا تریٰ البشرة منه۔** واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کا غیر مرد کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جنگلی کبوتر کھانا حلال ہے یا حرام؟ اور ان کا شکار جائز ہے یا نہیں۔ نیز بے نمازی کو گھر میں رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جس طرح مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح عورت کو جائز

نہیں کہ وہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ **فانه لا امن فی الزمان من الفتن** امام احمد و ترمذی و ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ جس میں حضور انور ﷺ نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے پردہ کا حکم فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ وہ نابینا ہیں۔ ہمیں دیکھتے نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں۔ **قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم احتجبا منه فقلت یارسول اللّٰه الیس هو اعمیٰ لا یبصرنا فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانه (مشکوٰة باب النظر الی المخطوبة)** اس حدیث کی شرح میں علامہ علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔ **قیل فیه تحریم نظر المراة الاجنبی مطلقًا وبعض خص خوف الفتنة علیها۔** لہذا عورت کو جائز نہیں کہ اجنبی مرد کو دیکھے۔ واللہ اعلم۔

نمبر۲ کبوتر خواہ جنگلی ہو یا پلاؤ حلال ہے اور اس کا شکار جائز۔ پرندے وہ حرام ہیں جو پنجہ سے شکار کرتے ہوں اور کبوتر ایسا نہیں ہے۔ در مختار میں ہے۔ **لا یحل ذوناب یصید بنابه اومخلب یصید بمخلبه ای ظفره فخرج نحوالحمامة۔** واللہ اعلم۔

نمبر۳ اگر غالب گمان یہ ہو کہ بے نمازی کو گھر سے علیحدہ کرنے سے اس کو نصیحت ہو گی۔ اور وہ نماز کا پابند ہو جائے گا۔ تب تو ضرور بالفرور اس کو علیحدہ کر دیا جائے اور اگر خیال ہو کہ گھر میں رکھنے سے ممکن ہے کہ ہم لوگوں کی صحبت سے نماز کا پابند ہو جائے گا اور گھر سے نکال دینے میں آزاد ہو کر اور زیادہ حالت تباہ ہو جائے گی تو نہ نکالا جائے اور برابر نرمی و مہربانی سے نماز کی ہدایت اسی طرح جاری رہے کہ اس کی طبیعت میں ضد پیدا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

فتویٰ نمبر ۱۲

کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر عورت پوڈر کلپ سرخی وغیرہ لگا کر نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں اور شریعت نے اس کو حلال کیا ہے یا حرام؟

الجواب

اگر مذکورہ چیزیں ناپاک ہیں تو ان کا جسم پر لگانا ہی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ نماز میں جس میں جسم تو کیا کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر پاک ہیں تو اگر یہ چیزیں چہرے کی رنگت ہیئت کو بدلتی ہیں تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ مثلہ ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ حتیٰ کہ تیمم کرنے والے کو حکم دیا گیا کہ وہ مٹی کو چہرے پر اس طرح نہ لگائے کہ جس سے ہیت چہرہ متغیر ہو جائے در مختار میں ہے۔ **لکن لا ینبغی التیمم به قبل خوف وقت لئلا یصیر مثلۃ بلا ضرورۃ** ردالمحتار میں ہے کہ **لا یتلطخ بوجهه فیصیر مثلۃ** اور اگر اس سے چہرے کی رنگت و ہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان کی خوشبو وغیرہ اجنبی مرد کو محسوس نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین و مفتیان کبار اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے یا نہیں۔ اذان ثانی جمعہ بھی اس میں داخل ہے یا نہیں۔ حضور پر نور ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی۔ اگر قیام مؤذن کے لئے مشرقی دیوار میں دروازہ کے جانب شمالی طاق بنا دیا جائے جس میں اذان ہو۔ جیسا کہ سید حضرت مولانا مولوی حافظ محمد نعیم الدین

صاحب ناظم انجمن اہل سنت مدظلہ العالی نے مسجد و مدرسہ انجمن بنایا۔ یہ مطابق سنت ہے یا نہیں۔ اور دیوار مسجد سے خارج ہے یا نہیں۔ اگر یہ ہی مطابق سنت ہے تو رسم و رواج پر چلنا کیا ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

ہر اذان خواہ جمعہ کی ثانی ہو یا اول یا اذان پنج وقتہ ہو۔ خارج مسجد ہونی چاہیے۔ مسجد میں مکروہ ہے عالمگیری میں ہے۔ **وینبغی ان یؤذن علی ماذنتہ اوخارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذافی فتاویٰ قاضی خان۔** یہ حکم تمام اذانوں کے لئے ہے۔ ہاں اس اذان اور دیگر اذانوں میں اتنا فرق ہے۔ کہ یہ اذان بالکل خطیب کے سامنے ہو۔ **کما ھو مصرح فی عامۃ کتب الفقہ** ابوداؤد جلد اول میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ **کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الزوراء** حضور کے زمانہ اقدس و زمانہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں یہ اذان دروازہ مسجد پر جو منبر کے مقابل ہے ہوتی تھی۔ جب اس اذان کا خارج مسجد ہونا احادیث سے ثابت اور مسجد میں اذان مکروہ تو اس کے مقابل عوام کے رسم و رواج پر چلنا جہل و غلط ہے۔ اور یہ مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ واللہ اعلم۔

عمارت مسجد میں تبدیل یا تغیر صرف بنائے مسجد یا ضرورت شدید کے لئے چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ کسی اور مقصد کے لئے نہیں کرسکتے۔ لہٰذا اذان کے لئے دیوار مسجد میں طاق بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تبدیل دیوار مسجد کی مصلحت کے لئے نہیں۔ بحر کتاب الوقف میں ہے **کرھوا احداث الطاقات فی المسجد۔** اسی بحر کتاب الوقف میں ہے۔ **لیس للمدرس فی المسجد ان یجعل من بیتہ بابًا الی المسجد وان جعل ادی ضمان نقصان الجدار۔** مسجد میں بغیر نفع درخت لگانا بھی منع ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ **ویکرہ غرس الشجر فی المسجد الا ان یکون فیہ للمسجد۔**

در مختار میں ہے۔ **ویکرہ غرس الاشجار الالنفع لتقلیل نزدتکون للمسجد** حضرت قبلہ عالم سیدی حضور صدر الافاضل دامت برکاتہم العالیہ نے تعمیر مسجد ہی کے وقت اس شرقی دیوار میں طاق اذان کی نیت سے رکھا تھا۔ یہ کسی عمارت کی تغیر نہیں۔ اسی طرح جتنی مسجدیں بنائی جاویں۔ اور ان میں بوقت بنا اذان کی جگہ بشکل طاق بنادی جاوے تو جائز ہے اور اس میں اذان درست ہے کہ یہ اذان مسجد میں نہیں ہے اور نہ طاق میں تغیر بنا ہے۔ بعد تکمیل طاق بنانا بغیر ضرورت مجوزہ ناجائز ہے۔ اگر کسی مسجد کے بناتے وقت دیوار مسجد یا سقف پر امام کے لئے مکان بنادیا۔ یا زیریں حصہ میں منافع مسجد کے لئے تہہ خانہ بنایا تو جائز ہے۔ اور بن چکنے کے بعد بنانا ناجائز۔ بحرالرائق میں ہے **ضمن بنی بیتًا علی جدار المسجد وجب ھدمہ**۔ اسی بحر میں ہے۔ **لوبنی بیتا علی سطح المسجد یکن للامام فانہ لا یضر فی کونہ مسجداً لانہ من المصالح فان قلت لو جعل مسجداً ثم ارادان یبنی فوقہ بیتًا للامام وغیرہ حل ذلک ان کان بناہ حلی بینہ وبین الناس ثم جاء بعد ذلک لا بترکہ واذا قال عنیت ذالک فانہ لا یصدق فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ**۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چوری کی جس کا وہ خود اقبالی ہے اب اگر زید امام ہے۔ تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ چوری ایسی ہے جس پر شرعاً" چوری کی تعریف صادق آتی ہے اور اس سے اب تک وہ شخص تائب نہیں ہوا تو فاسق ہے۔ اس کو امام بنانا مکروہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربوا ونحو ذالک. بحر میں ہے۔ وکراه امامة العبد والاعرابی والفاسق۔ در مختار میں ہے۔ ویکره امامة عبد واعرابی وفاسق۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیعہ نے اپنے کو سنی المذہب ظاہر کر کے ایک سنی لڑکی سے دھوکہ دے کر نکاح کر لیا۔ اور اپنے گھر لے جا کر بطریق شیعہ نکاح کیا مگر خفیہ۔ جب ماہ محرم آیا۔ تو لڑکی کو تبرہ پر مجبور کیا۔ انکار پر لڑکی کو سخت مارا پیٹا لڑکی نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مجبوراً میکہ پہنچا دیا اور یہاں آ کر لڑکا پیدا ہو گیا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ آیا نکاح درست ہوا یا نہیں۔ اگر نہیں تو بغیر طلاق دوسرے شخص سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب

تبرائی رافضی مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ ویجب اکفار الروافض الیٰ ان قال وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین۔ اور مرتد کے ساتھ نکاح باطل محض ہے۔ عالمگیری احکام المرتدین میں ہے۔ ومنها ماهو باطل بالاتفاق نحوالنکاح فلا یجوزله ان یتزوج امراة مسلمة ولا مرتدة

ولاذمیۃ۔ درمختار میں ہے۔ ویبطل منه اتفاقاً النکاح والذبیحۃ والصید والشهادۃ والارث لہٰذا یہ نکاح درست نہیں ہوا۔ اور جب نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی کیا حاجت۔ مگر مناسب یہ ہے کہ عورت اس رافضی کو نوٹس دے کہ میں سنی المذہب ہوں۔ تو نے سنی بن کر مجھے دھوکہ دے کر نکاح کیا۔ بعد میں مجھے رفض پر مجبور کیا اور ایذائیں دیں۔ چونکہ تو تبرائی' رافضی ہے۔ اس لئے میرا نکاح تیرے ساتھ مذہب اہل سنت کی رو سے صحیح نہیں ہوا۔ لہٰذا میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ میں اپنی مرضی سے جہاں چاہوں گی نکاح کروں گی۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں۔

نمبر ۱ صحت نماز جنازہ کی کیا شرائط ہیں؟

نمبر ۲ تلویث کا احتمال نہ ہو تو مسجد کے برآمدے میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

نمبر ۳ عام راستہ پر جہاں لوگوں کی ہر وقت آمد و رفت رہتی ہو۔ اور نجس ہونے کی صورت میں جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنا از روئے شریعت کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

از رنگون برما

الجواب

صحت نماز جنازہ کی کل چھ شرطیں ہیں۔ میت کا اسلام' میت کی طہارت' میت کا نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہونا' یعنی کندھوں یا سواری پر نہ ہونا' جنازہ کا موجود ہونا' امام کا

بالغ ہونا' درمختار میں ہے۔ وشرائطها ستة' اسلام المیت وطهارته وبلوغ الامام وشرطها ایضًا حضوره ووضعه وکونه امام المصلی۔

نمبر۲ نماز جنازہ مسجد جماعت میں مطلقاً مکروہ ہے خواہ تلویث کا احتمال ہو یا نہ' حتیٰ کہ اگر میت خارج مسجد اور نمازی مسجد میں ہوں جب بھی مکروہ ہے درمختار میں ہے۔ وکرهت تحریماً فی مسجد جماعة هوای المیت فیه واختلف فی الخارجیة والمختار الکراهة مطلقًا بناء علیٰ ان المسجد بنیت للمکتوبة وتوابعها۔

نمبر۳ عام راستہ پر نماز جنازہ مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ وتکره فی الشارع وارض الناس۔ اور اگر نجس زمین پر جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھی تو نہ ہوئی اور اگر جوتا اتار کر اس پر کھڑا ہو گیا تو ہو گئی۔ اس لئے پہلی صورت میں جوتا لباس مصلی ہے۔ ردالمحتار میں تعریف لباس اس طرح فرمائی ہے۔ ماﻻ لیس البدن فدخل القلنسوة والخف والنعل اور لباس نجاست اور مصلی کے درمیان آڑ نہیں بن سکتا کہ بدن کے تابع ہے اور جب اتار دیا تو علیحدہ چیز ہو گئی اور علیحدہ چیز نجاست سے آڑ ہو سکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ علمت مما قد مناه عن الفتح عدم اعتبار هم الحائل المتصل حائلاً لتبعیة المصلی ولذالوقام علی النجاسته وهو لابس خفالم تصح صلوته۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو خلع نعلیه وقام علیها جاز سواء کان ما یلی الارض منه نجسا اوطاهراً اذا کان مایلی القدم طاهراً۔

واللّٰہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مدرسہ

اسلامیہ کی جو تختہ اراضی موقوفہ پر (بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ مدرسہ و تعلیم اسلامی کے لئے وقف کی گئی ہے) مقامی و غیر مقامی عامتہ المسلمین کے چندہ سے تعمیر یا توسیع کرائی گئی ہو۔ اور خالص مقصد تعمیر اس کا عربی و اسلامی تعلیم کے لئے ہو۔

نمبر ۱ ایسی عمارت جو اراضی موقوفہ پر تعمیر یا توسیع یا ترمیم چندہ عام سے کرائی گئی ہو۔ از روئے قانون شریعت مقدسہ تعریف و حدود وقف میں شمار کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نمبر ۲ اگر کوئی مسلمان جس نے مہتمم اور تنخواہ دار ملازم ہونے کی حیثیت سے چندہ فراہم کر کے عمارت تعمیر کرائی ہو۔ اس کو اپنی ذاتی جدوجہد کی طرف مخصوص و محدود کر کے اپنے کو اس کا بانی اور اس کے نظم و نسق کا مالک و مختار قرار دے اور بصورت مقصد تعلیم فوت ہونے کے عامتہ المسلمین کی مداخلت اور وقف کی مخالفت میں حاکم وقف کے سامنے بصورت انکار وقف اپنا بیان داخل کرے۔ تو وہ از راہ شرع شریف غاصب کے حکم میں آسکتا ہے یا نہیں؟

نمبر ۳ اصطلاح شریعت میں قطع نظر وقف و غصب کے کوئی تیسری صورت بھی حقوق اراضی و عمارت کی مسلمانوں کے لئے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ جزاکم اللہ خیراً

(از بریلی)

الجواب

عمارت مذکورہ وقف ہوگئی۔ کیونکہ کسی وقف میں اضافہ یا توسیع کے لئے چندہ طلب کیا جاتا ہے۔ تو ہر شخص اس کے معنی یہی سمجھتا ہے کہ یہ اضافہ وقف میں شامل ہو گا اور دینے والا اسی نیت سے دیتا ہے۔ یہی معروف ہے۔ **والثابت بالعرف کالثابت بالنص کما فی الرد المحتار۔** اسی ردالمحتار میں ہے۔ **العادۃ محکمۃ ان الفاظ الواقفین تبنی علی عرفھم**

نمبر۲ سوال اول کے جواب میں معلوم ہو چکا کہ وقف میں جو اضافات کئے جاتے ہیں وہ اصل وقف کے حکم میں ہوتے ہیں۔ چندہ جمع کرنے والے اس کے مالک نہیں ہو جاتے کہ مالکانہ تصرف ان کے لئے روا ہو سکیں۔ حتی کہ اگر متولی اپنے مال خاص سے بھی وقف میں کوئی اضافہ کرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ خواہ اس نے یہ اضافہ بہ نیت وقف کیا ہو۔ یا بغیر نیت وقف۔ بجز اس کے کہ اضافہ کے وقت اپنے لئے نیت کی ہو اور اسی وقت اس پر گواہ بھی کر لئے ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ تو وہ مال وقف ہے۔ ہندیہ میں ہے۔ **متولی وقف بناء فی عرصة الوقف فهو للوقف ان بناه من مال الوقف اومن مال نفسه نواه للوقف اولم ينوشيئًا وان بناه لنفسه واشهد عليه كان له والله اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحكم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم میں قسم جگہ جگہ کیوں ارشاد ہوئی ہے۔ کیا خدائے قدوس کے فرمان کا بغیر قسم کے اعتبار نہ تھا۔

نمبر۲ شیعہ لوگ خرگوش کو حرام کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی مادہ کو حیض آتا ہے۔ کیا اہل سنت کے پاس کوئی دلیل ہے۔ جس سے اس کو کھا جاتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے؟ بینوا توجروا۔

از ضلع حصار

الجواب

قرآن کریم میں جو قسمیں یاد فرمائی گئی ہیں۔ ان میں بہت سی حکمتیں ہیں اولاً" یہ کہ

قرآن کریم زبان عرب میں نازل ہوا۔ اور اثبات مطالب میں حلف کا طریقہ عرب میں مروج ہے۔ امام فخر الدین رازی نے فرمایا۔ **والقران انزل بلغة العرب واثبات المطالب بالحلف واليمين ما لوفة عند العرب** نیز جھوٹی قسموں سے عرب بہت ڈرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جھوٹی قسمیں کھانے والا ضرور برباد ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں قسمیں ذکر فرمائیں اور دین اسلام برابر ترقی میں رہا۔ یہ عرب کے لئے دلیل ہے کہ یہ مضمون صحیح ہے۔ ورنہ خود تمہارے اعتقاد کے بموجب قسموں کے مؤکد کرنے کے بعد اس کا رواج روز بروز کیسے بڑھتا رہا۔ نیز قرآن میں قسم فرمانے میں مُقسَم بہ کی ایک گونہ عزت افزائی بھی ہے۔ کہ یہ اشیاء عند اللہ ایسی معظم ہیں کہ ان کی قسم فرمائی گئی۔ ان کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ جن کو اسلاف کرام نے اپنی تصانیف میں بیان فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قسموں کا قرآن کریم میں ذکر فرمانا مومنین کے رفع شکوک کے لئے نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور حکمتیں ہیں۔

نمبر۲ خرگوش حلال ہے۔ صحابہ کرام نے اس کا شکار کیا۔ حضور سید عالم ﷺ نے اس کے گوشت کا ہدیہ قبول فرمایا اور صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ **قال انفجنا ارنبا بمر الظهران فاخذتها فاتيت بها اباطلحة فذبحها وبعث الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بوركها و فخذيها فقبله۔** اشعۃ اللمعات میں ہے۔ پس معلوم شد کہ خرگوش کہ آں را ارنب گویند حلال است و در ہدایہ گفتہ است کہ **لا باس باكل الارنب** زیرا کہ آنحضرت ﷺ وقتیکہ بہدیہ فرستادہ شد نزدوی امر کرد اصحاب را بخوردن آں۔ در مختار میں ہے۔ **وحل غراب الذرع والارنب والعقعق۔** بحر میں ہے۔ **وحل الارنب لانه عليه الصلوة والسلام امر اصحابه ان ياكلوه حين اهدى اليه مشويا ولانه ليس من السباع ولا ياكل الجيف فاشبه الظبى۔** جب احادیث صریحہ سے اس کی حلت ثابت ہو گئی۔ تو حیض آنے یا نہ

آنے کا ذکر ہی بیکار ہے۔ وساوس شیطانیہ کے دفع کرنے کے لئے یہ عمل بہت مجرب ہے۔

نوٹ درود شریف ۷ بار' استغفار ۱۱ بار' کلمہ شہادت ۱۰۱ بار' آخر میں درود شریف ۱۱ بار۔ یہ سب تصور معنی کے ساتھ پڑھے جائیں۔ بتوفیقہ تعالیٰ اوہام شیطانیہ سے نجات ہو گی۔

فتویٰ نمبر ۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنا' کسی کے نام پر جانور پالنا' قبر چومنا' پھول چڑھانا' اذان میں انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ امور مسئولہ مستحب اور حدیث سے ثابت ہیں۔ فاتحہ میں تلاوت قرآن اور صدقہ یا ہدیہ کا ایصال ثواب ہے۔ یہ مسلمان کا مضبوط عقیدہ ہے۔ جس پر بکثرت نصوص شرعیہ ناطق ہیں۔ صدقات کو مزارت پر لے جانے سے وہاں پر خدام و فقراء کو دینا مقصود ہے جو صاحب قبر سے مناسبت رکھتے ہیں۔ خواہ ان صدقات کو فاتحہ پڑھنے کے بعد لے جائیں یا وہاں لے جا کر فاتحہ پڑھیں یا بربنائے حسن اعتقاد مجاورین مزار سے فاتحہ پڑھا دیں بہرحال وہاں کے مجاورین کے لئے صدقات لے جانے پر اعتراض نہیں۔ کیونکہ اہل حاجت و واستحقاق کی طرف صدقات وہدایا کی نقل شریعت نے ممنوع نہیں فرمائی۔ بلکہ میت کے ساتھ مناسبت رکھنے والوں کے پاس صدقات کا بھیجنا حضور ﷺ کے عمل مبارک سے ثابت ہے۔ حضرت ام المومنین خدیجہ الکبرے رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آپ اکثر بکری ذبح فرماتے اور اس کا گوشت ان پاک بی بیوں کے پاس بھیج

دیتے۔ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھیں۔ مسلم و بخاری میں ہے۔ **وربما ذبح الشاة ثم یقطعها اعضاء ثم یبعثها فی صدائق خدیجة۔** اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اس قسم کا کھانا ان لوگوں کو بہتر ہے۔ جس سے میت کو محبت و انسیت ہو۔ یہی قبر پر لے جانے کا مقصد ہے۔

نمبر۲ سائل کے سوال میں کسی بزرگ کے نام کا جانور چھوڑا جاتا ہے۔ اولاً تو چھوڑا جانا ایسا لفظ ہے جو کوئی مسلمان کسی جانور کے لئے ایسا لفظ بولتے ہی نہیں۔ یہ وہابیہ کی خاص ایجاد ہے۔ ہندو جس جانور کو بتوں کی طرف نسبت کر کے آزاد کر دیتے ہیں کہ نہ اسے کوئی ذبح کر سکتا ہے۔ نہ مار سکتا ہے نہ اپنے کھیت میں سے باہر نکال سکتا ہے اور یہ ان کا طریقہ عبادت ہے۔ اس جانور کے متعلق کہتے کہ یہ جانور فلاں بت کے نام پر چھوڑا ہوا ہے۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان یہ نیت کر کے نہیں چھوڑتا بلکہ وہ تو کوئی جانور اس لئے پالتا ہے کہ تاریخ مقررہ پر اس کو ذبح کر کے کھانا پکا کر فلاں بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کرے گا۔ اور مسلمانوں میں اس کو تقسیم کرے گا۔ اس طرح اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا اس پر بزرگان دین کا فاتحہ کرنا جائز اور یہ ذبیحہ درست ہے۔ اس کا گوشت حلال و طیب ہے۔ کیونکہ جب خدا کے نام پر ذبح کیا گیا' تو حلال ہوا۔ ذبح سے پہلے اس کو کسی کی طرف نسبت کرنا اس کو حرام نہیں کر سکتا۔ ورنہ دنیا میں کوئی جانور بھی حلال نہیں ہو گا۔ کیونکہ عام طور پر جانور کو مالک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ زید کی گائے' عمر کی بکری' خدا بخش کا اونٹ کہتے ہیں۔ اسی طرح عقیقہ کی بکری۔ قربانی کی گائے عام طور پر بولا جاتا ہے۔ کیا یہ تمام جانور حرام ہوں گے۔ ہرگز نہیں' در مختار میں ہے۔ **وان ذکر مع اسمہ تعالیٰ غیرہ فان وصل کرہ وان فصل صورةً ومعنا کدعاء قبل اضجاع والدعاء قبل التسمیة اوبعد الذبح لا باس بہ** تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ **وما اھل بہ لغیرہ معناہ ذبح بہ الاسم لغیر اللہ وقت الذبح۔** اسی تفسیر میں ہے۔ **وان ذکر مفصولا بان یقول قبل التسمیة وقبل ان تضجع**

الذبیحۃ اوبعد لا باس بہ من ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللّٰہ علیہ وقت الذبح ان کانوا ینذرون بہ۔ کہ اولیاء کی منت کر کے ان کے نام پر جو جانور پالا گیا اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا وہ جائز ہے۔

نمبر۳ عوام کے لئے یہی بہتر ہے کہ قبر کو نہ چومیں۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلک من عادۃ النصاریٰ ولاباس بالتقبیل قبروالدیہ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ و مسح نہ کند قبر را و بوسہ نہ دہد آں را و منحنی نشود در روئے خاک نہ مالد ایں عادت نصاریٰ است۔

پھول اور چادر بزرگان دین کے مزار پر ڈالنا جائز ہے۔ پھول تو اس لئے کہ وہ ایک تر چیز ہے۔ جس کی تسبیح و تہلیل سے صاحب قبر کو راحت حاصل ہوگی اور زائرین کو خوشبو۔ حضور سید عالم ﷺ نے دو قبروں پر ایک شاخ کے ٹکڑے کر کے نصب فرمادیئے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں گے خداوند تعالیٰ مدفون پر تخفیف فرمائے گا۔ رواہ ابوداؤد عن ابن عباس۔ ردالمحتار میں ہے۔ ورد فی الحدیث وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننامن وضع اغصان الاس و نحوہ۔ عالمگیری میں ہے۔ وضع الورود والریاحین علی القبور حسن وان تصدق بقیمۃ الورود کان احسن۔ اور چادر اس لئے کہ اس سے صاحب قبر کی عظمت و وقار مخلوق کے قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس سے عوام پہچان لیتے ہیں لور جو ادب و احترام اولیاء کا ہے۔ اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ کرہ بعض الفقھاء وضع الستور والعمائم والثیاب علیٰ القبور الصالحین ولکن نقول اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتیٰ لا یحتقروا صاحب القبر کطلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال بالنیات۔

نمبر۴ اذان میں حضور ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں

سے لگانا مستحب ہے۔ اس کے دینی و دنیاوی فائدے روایات میں مروی ہیں۔ جو شخص اس کا عامل ہو۔ انشاء اللہ امراض چشم سے محفوظ رہے گا۔ حضور ﷺ قیامت میں اس کے شفیع ہوں گے۔ ردالمحتار میں ہے۔ **ثم یقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائداً الی الجنة**۔ اس کی پوری تحقیق رسالہ مبارکہ منیر العینین میں اور دیگر کتب علمائے اہل سنت میں دیکھو۔ نیز اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مؤذن اذان میں اللہ اکبر اللہ ا یکبر۔ اللہ اکبر اللہ ا یکبر کہتا ہے۔ یعنی اخیر جزء میں ا یکبر کہتا ہے۔ اس صورت میں اذان صحیح و درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہ ہوگی تو اس میں گناہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا؟

نمبر ۲ نیز اقامت میں **اشهد ان لا اله الا اشهدان لا اله الا** کہتا ہے اور لفظ اللہ چھوڑ دیتا ہے یہ اقامت صحیح ہے یا نہیں۔ باوجود اس کے اسے تاکید بھی کی جاتی ہے کہ اذان کے الفاظ صحیح کرو اور پورے الفاظ ادا کرو۔ مگر وہ لاپرواہ ہے اور بے اعتنائی سے کام لیتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں اور ایسے شخص کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از مراد آباد

الجواب

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن اذان صحیح دینے پر قادر ہے کہ پہلی بار تو اللہ اکبر

کہتا ہے۔ اور دوسری بار میں ایکبر یعنی الحان کے لئے ی اکبر میں زیادہ کرتا ہے۔ اس میں کلمات اذان کو بگاڑنا ہے جو سخت منع ہے۔ در مختار میں ہے۔ **فلا یقول اللّٰہ اکبر لانہ استفھام وانہ لحن شرعی۔** اسی میں ہے۔ **ولا لحن فیہ ای تغن بغیر کلماتہ۔** رد المحتار میں ہے۔ **ای بزیادۃ حرکۃ الحرف اومدا وغیرھا۔** بحر میں ہے۔ **التلحین ھو اخراج الحروف عما یجوزلہ فی الاذاء من تنقیص فی الحروف اومن کیفیاتھا او زیادۃ شئی منھا۔** عالمگیری میں ہے۔ **ویکرہ التلحین وھو التغن بحیث یودی الٰی تغیر کلماتہ۔** لہٰذا اس موذن کو ہدایت کرنا چاہیے کہ اذان درست دے۔ اگر وہ فہمائش پر بھی نہ مانے تو دوسرا درست خوان موذن رکھنا چاہیے۔ لیکن چونکہ پورے کلمات اذان ادا ہو گئے اور مقصد اذان یعنی دعوت نماز حاصل ہو گیا اور کوئی اور موجب اعادہ پایا نہیں گیا۔ لہٰذا اذان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ رد المحتار میں ہے۔ **المقصود الاعلی من الاذان شرع الاعلام بدخول اوقات الصلوٰۃ۔** کلمات تکبیر چونکہ پورے ادا نہیں ہوئے۔ بعض کلمات رہ گئے۔ لہٰذا اس تکبیر کا اعادہ ضروری ہے۔ در مختار میں ہے۔ **یجب استکما لھما لموت مؤذن وغشیہ وخرسہ وحصرہ۔** رد المحتار میں ہے۔ **والمراد انہ اذا عرض للمؤذن ما یمنعہ من الاتمام۔** واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں

نمبر ۱ عورت کی صحت کی خرابی یا کثرت اولاد کے خوف سے مانع حمل ادویہ یا تراکیب کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

نمبر ۲ مرد یا عورت کی طرف سے ضبط تولید کی کوشش کرنا شرعاً" کیسا ہے؟

نمبر۳ مسلمان دوافروشوں کو اس قسم کی ادویہ وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ اس امر کا احتمال موجد ہے کہ پچھتر فی صدی خریدار ناجائز طور پر ان ادویہ کو استعمال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔

از مراد آباد

الجواب

نمبرا کثرت اولاد خدائے قدوس کی نعمت ہے۔ جب تک کہ اس سے کوئی ضرر ناقابل برداشت متصور نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو روکنا ناشکری ہے۔ البتہ اگر صحت حمل کے قابل نہ ہو۔ تو ایسی دواؤں سے استقرار روک سکتے ہیں۔ جن سے قابلیت حمل بالکل نہ جاتی رہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ عزل کی طرح حمل کو روکنے کی ایک تدبیر ہے۔ اور عزل تو بہ اجازت زوجہ جائز ہے۔ لہٰذا یہ بھی جائز۔ ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عزل المراة الا باذنها** درمختار میں ہے۔ **ولا يعزل عن المراة لكن فى الخانية انه يباح فى زماننا لفساد الزمان** عزل کے معنی ہیں انزال خارج کرنا۔

نمبر۲ ضرورت شدیدہ کی صورت میں اسقاط حمل جائز ہے۔ جبکہ حمل چار ماہ سے کم ہو۔ بلاضرورت سخت جرم ہے اور چار ہ ماہ کے بعد چونکہ بچہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اس کو ساقط کرنے میں اضاعۃ روح کا جرم ہوگا۔ بجز اس کے کہ عورت کی جان خطرہ میں ہو۔ اور بجز اسقاط کوئی صورت اس کی جان بری کی نہ ہو۔ درمختار میں ہے۔ **قالوا يباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر ولوبلا اذن الزوج**۔ شامی میں ہے۔ **قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة على حالة العذر** اسی ردالمحتار میں ہے **ومن الاعذاران ينقطع لبنها وليس لاب الصبى ما يستاجر به الظئرو تخاف هلاك الولد** درمختار کتاب الکراہیۃ میں ہے۔ **وجاز لعذر حين لا يتصور**۔

نمبر۲ ضبط تولید اگر رحم کو خارج کر کے یا رحم کو بیکار کر کے ہو تو ناجائز ہے کہ اس میں عضو کو معطل کرنا ہے۔ اسی وجہ سے مرد کو خصی کرنا یا خصی ہونا حرام ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت چاہی۔ فرمایا گیا۔ **یا اباھریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختص علی ذالک اوذر۔** اس کے ماتحت مرقات میں ہے۔ **لیس ھذا اذنافی الاختصاص بل توبیخ ولوم علی الاستیذان فی قطع عضو بلا فائدۃ۔** درمختار میں ہے۔ **اما خصاء الادمی فحرام۔** اور اگر ضبط تولید اس طرح نہیں بلکہ صرف رحم کا منہ بند کر کے عارضی طور پر حمل کو روک دیا جائے یا کسی خاص تدبیر سے نطفہ کو قائم نہ ہونے دیا جاتا ہو تو ضرورۃً جائز ہے۔ صرف اولاد سے بچنے کے لئے ایسا کرنا ناشکری ہے۔ اور بیکار بھی ہے کہ جو روح آنے والی ہے وہ تو آکر رہے گی۔ **کما فی الحدیث۔** ردالمحتار میں ہے **یجوز لھاسدفم رحمھا کما تفعلہ النساء۔**

اس قسم کی دواؤں کا فروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ان کے لئے مصرف حلال موجود ہے اب جو اسے مصرف حرام پر استعمال کرے گا۔ تو وہ خود گنہگار ہو گا۔ نیز خود ان دواؤں سے معصیت قائم نہیں جن سے خود معصیت ہو ان کی بیع ممنوع ہے۔ درمختار میں ہے۔ **یجوز بیع عصیر عصب ممن یعلم انہ یتخذہ خمراً لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ** بحر میں ہے۔ **وجاز بیع العصیر من خمار لان المعصیۃ لا تقوم بعینیہ بل بعد تغییر بخلاف بیع السلاح من اھل الفتنۃ لان المعصیۃ تقوم بعینہ۔** خلاصہ یہ کہ جس سے بلاواسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع حرام ہے۔ جیسے شراب کی تجارت اور جس سے بلواسطہ گناہ کیا جاوے اس کی بیع جائز ہے۔ جیسے شیرہ انگور کی بیع کہ اگرچہ اس سے شراب بن سکتی ہے۔ مگر اس کی تجارت حلال ہے۔ اسی لئے رنڈی کو کرایہ پر مکان دینا حلال ہے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے کل چھ بیٹے ہیں۔ لیکن اس نے صرف ایک بیٹے کو ساری جائیداد اور جملہ کاروبار اور سب حقوق سپرد کردیئے ہیں۔ باقی پانچ بیٹے حقوق سے محروم کردیئے گئے ہیں۔ شرع شریف میں یہ بیٹے اس شخص کی جائیداد وغیرہ کے حقدار ہیں یا نہیں اور وہ اپنا حق حاصل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از کراچی

الجواب

سوال سے معلوم نہ ہوا کہ شخص مذکور نے اپنے فرزند مذکور کو جائیداد و دیگر املاک باقاعدہ ہبہ کردیئے یا صرف انتظام اس کے سپرد کیا اور اس کو منتظم کار بنادیا۔ اگر ہبہ کر دیئے ہیں تو یہ صحت کی حالت میں ہوا ہے یا مرض الموت کی حالت میں۔ ان تینوں صورتوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ اگر صرف انتظامی معاملات کا ایک بیٹے کو مختار کیا گیا تو اس سے باقی بیٹے محروم نہ ہوں گے۔ اس کے انتقال کے بعد تمام بیٹے بطریق مساوی اپنا حصہ لیں گے۔ اگر ہبہ ہے لیکن مرض الموت کی حالت میں، تو بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ مرض الموت کا ہبہ وصیت ہے۔ در مختار میں ہے۔ **وھبہ مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ ولم یخف موتہ منہ والا فمن ثلثہ** اور وارث کو وصیت جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔ **لا وصیۃ لوارث الا ان یجیزھا لورثۃ** در مختار میں ہے **ولا لوارثہ** اور اگر بحالت صحت باقاعدہ ہبہ کردیا ہے۔ تو اس کا یہ ہبہ درست ہے۔ کیونکہ یہ اپنے مال کا مالک ہے۔ جس کو چاہے دے۔ لہٰذا باقی کے کچھ نہیں پاسکتے۔ لیکن اگر باقی پانچ بیٹوں کو نافرمانی کی وجہ سے والد نے ایسا کیا۔ تو اگر والد

زندہ ہے۔ تو ان کو چاہیے۔ کہ والد کو بہت جلد راضی کرلیں تا کہ وبال آخرۃ سے بچیں۔ اور اگر بلا قصور والد نے محروم کردیا ہے۔ تو اگرچہ اس کا عمل شرعاً" نافذ ہوا لیکن وہ عنداللہ سخت گنہگار ہوا۔ حدیث شریف میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا سخت حکم ہے۔ مسلم و بخاری نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم۔ ردالمحتار میں ہے۔ **ولو وھب شیئا لاولادہ فی الصحۃ واراد تفضیل البعض علی البعض روی عن ابی حنیفۃ لاباس بہ اذا کانت تفضیل لزیادۃ فضل فی الدین وان کانوا سواء یکرہ۔** درمختار کتاب الھبۃ میں ہے **وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم۔** البتہ اگر اولاد میں سے بعض کو ان کے دینی فضل کی وجہ سے کچھ زیادہ دے۔ تو حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ **کما ھو ظھر من العبارۃ المنقولۃ من ردالمحتار۔** واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و محققان شرع متین مسائل مصرحہ ذیل کے متعلق

نمبر ا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہ میں **من کل الوجوہ** کون افضل ہے؟

نمبر ۲ اگر کوئی شخص فضائل اختصاص کے اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ترجیح اور فضیلت دے۔ تو علمائے احناف کے نزدیک اس کا ایمان صحیح ہے اور اس کی امامت جائز ہے۔ یا نہیں؟

نمبر ۳ روافض (تبرائی) کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا' مناکحت کرنا' اس کی مجالس میں شریک ہونا' مجلس پڑھنا اور روافض کو سید سمجھ کر ان کو قابل احترام سمجھنا کیسا

ہے؟

نمبر۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زید برا کہتا ہے۔ اور آپ کی شان میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے سے منع کرتا ہے' اور برا جانتا ہے۔ لہٰذا ایسے اعتقاد کے ہوتے ہوئے زید سنی المذہب حنفی ہو سکتا ہے۔ یا نہیں؟

نمبر۵ زید اپنے آپ کو عالم کہتا ہے۔ اکثر میلاد شریف وغیرہ بیان کرتا ہے۔ اور بزعم خود تعزیہ داری و نوحہ و مرثیہ خوانی کی بابت کلام مجید سے ثابت ہونا بتلاتا ہے اور اپنے بیان میں تعزیہ داری کی ترغیب دیتا ہے۔ اور شیعوں کے ماتم میں خود بھی شریک ہو کر ماتم کرتا ہے اور تعزیہ و علم کی تعظیم کرتا ہے۔ ایسے شخص کا بیان سننا چاہیے یا نہیں؟ اور مذہب حقہ زید کے بارے میں کیا حکم دیتا ہے؟

نمبر۶ زید ایک شیعہ کو قطب متصرف سمجھتا ہے اور اس کے کمالات و کرامات بیان کر کے لوگوں کو اس کا معتقد بناتا ہے۔ لہٰذا زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور کیا کوئی شیعہ (تبرائی) قطب و متصرف ہو سکتا ہے؟ از بریلی

نمبر۷ سوالات نمبرا لغایت نمبر۶ کا اعتقاد رکھنے والا قابل امامت ہے یا نہیں؟

الجواب

نمبرا علمائے ملت اس پر متفق ہیں کہ مطلقاً افضل البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروق' پھر حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ صواعق محرقہ میں ہے۔ **اعلم ان الذی اطبق علیہ عظماء الملۃ وعلماء الامۃ ان افضل ھذہ الامۃ ابوبکر الصدیق ثم عمر** الخ **ومثلہ فی شرح العقائد۔ من کل الوجوہ** افضلیت کا سوال ہی بے جا ہے۔ اعتبار افضلیت مطلقہ کا ہے۔ اور عند الاطلاق وہی مراد ہوتی ہے۔ ان حضرات میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ نے فضائل مخصوصہ عطا فرمائے ہیں۔ اور وہ فضیلت مطلقہ کے منافی نہیں۔

نمبر۲ اگر وہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت مطلقہ کا قائل ہوتے ہوئے محض خصوصیات حضرت علی یا دیگر صحابہ کے ذکر کرتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ تو اس سے نہ ایمان میں خلل آتا ہے۔ نہ اس کی امامت ناجائز۔ کہ تمام صحابہ کرام کسی نہ کسی خصوصیت میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ مثلاً امانت خاصہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور صرف ایک شہادت کا نصاب ہونا حضرت ابی خزیمہ کی، اور قرآن کریم میں اسم خاص کے ساتھ ذکر ہونا حضرت زید کی خصوصیات سے ہیں۔ یہ فضائل مخصوصہ جو خدا نے ان حضرات کو عطا فرمائے۔ کوئی دیندار مسلمان کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسے خصوصیات کو بیان کر کے مطلقاً کسی ایک صحابی کی فضیلت دوسروں کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ دھوکہ دے رہا ہے اور اپنے باطل مذہب کی ترویج، لیکن اگر قائل حضرت مولا علی مرتضیٰ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہر طرح ترجیح دیتا ہے۔ تو گمراہ ہے کہ عقیدہ اہل اسلام کے خلاف ہے۔ اسی صواعق میں ہے۔ **فانه كان يقول ابوبكر خيرو على افضل فان اريد ان خيرية ابوبكر من بعض الوجوه وافضلية على من وجه آخرلم يكن ذلك فى محل الخلاف والحاصل ان المفضول قدتوجد فيه مزية بل مزايا لا توجد فى الفاضل فان اراد شيخ الخطابى ذلك وان ابابكر افضل مطلقاً الا ان عليا وجدت فيه مزايالم توجد فى ابى بكر فكلامه صحيح۔**

نمبر۳ تبرائی روافض مرتد ہیں۔ ہندیہ میں ہے۔ **ويجب اكفار الروافض۔** اسی میں ہے۔ **وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام احكامهم احكام المرتدين** کفار کے ساتھ محبت و تعلقات رکھنا ناجائز ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ **لا يتخذ المومنون الكافرين اولياء من دون المومنين** پارہ نمبر۵ نیز ارشاد فرماتا ہے۔ **لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الاخر يوا دون من حادا الله ورسوله ولو كانوا اباءهم الآيه۔** لہٰذا روافض سے روابط و محبت جائز نہیں۔ اور اس سے نکاح

درست نہیں۔ محض زنا ہو گا۔ ردالمحتار۔ عالمگیری۔ بحر میں ہے۔ "روافضی مدعی یا رسیادت ہرگز سید نہیں۔ اس لئے کہ وہ مرتد ہے۔ اور خدا کا دشمن۔ اگر اسی مذہب رفض پر مرگیا۔ تو جہنم کے **اسفل السافلین** میں اس کا ٹھکانا ہو گا۔ سیادت اور خلود فی النار کا اجتماع کیسا؟ سید وہ مسلمان ہے جو حضور ﷺ کی اولاد میں ہو۔ روافض تو مسلمان ہی نہیں۔ سید کیسے؟ نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق فرمایا گیا۔ **انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح۔**

نمبر ۴ زید گمراہ محض ہے۔ کسی صحابی رسول اللہ ﷺ سے ذرا بھی عداوت رکھنا حقیقتاً حضور سے عداوت ہے۔ اور قرآن کریم کی مخالفت کہ فرماتا ہے۔ **وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔** نیز حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔ **فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم** حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت فضائل ہیں۔ وہ صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جو بڑی افضلیت ہے۔ اور حضور کے کاتب و صاحب اسرار اور حضور ﷺ کے اخ الزوج ہیں۔ مجتہد صحابی ہیں۔ **کما قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کما فی البخاری۔** انہی کے متعلق حضور نے دعا فرمائی **اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا۔** انہی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ **معاویۃ فی الجنۃ** تمام ازواج و اہل بیت رسالت نے ان کی توقیر فرمائی۔ ان کے مخلصانہ ہدایا قبول فرمائے۔ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا بے ادب بدنصیب ہے۔ ان کے اسم شریف کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور کہنا چاہیے۔ کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔** اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔

نمبر ۵ زید جو اپنے کو عالم کہتا ہے اور میلاد شریف پڑھتا ہے۔ اگر وہ علم رکھتا ہے تو اسے عالم کہنا غلطی نہیں اور میلاد شریف پڑھنا امر نیک ہے۔ رب کی اطاعت پر مشتمل ہے۔ سبب برکت علاقہ محبت رسول ہے ﷺ۔ نشانی ایمان ہے۔ رہی تعزیہ داری

اور نوحہ جن کو قرآن پاک سے ثابت بتاتا ہے۔ اس کے لئے خود اس کا بیان سائل کو پیش کرنا چاہیے۔ تاکہ اس کی صحت اور عدم صحت پر حکم دیا جاسکے۔ رہا مجلس روافض میں شرکت اور ان کے ساتھ ماتم کرنا یہ دونوں امر ممنوع اور شرعاً ناجائز ہیں۔ ان سے توبہ لازم ہے۔ زید کو امام نہ بنایا جائے۔ تاوقتیکہ ماتم وغیرہ سے توبہ نہ کرے۔

نمبر۶ اگر وہ رافضی (تبرائی) ہے۔ اور کفریہ عقائد رکھتا ہے۔ تو اس کو قطب کیا مومن کہنا بھی درست نہیں۔ اگر زید اس کے کفریات پر مطلع نہ ہو۔ تو اس کی یہ مدح سرائی اور بدمذہب کی ثناء وصف حرام ہے اگر زید اس رافضی کے عقائد کفریہ پر مطلع بھی ہو اور باوجود اس کے اس کو مومن ہی کہے تو خود زید بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ **من شک فی عذابه وکفره فقد کفر۔** عامہ کتب' کوئی رافضی کبھی قطب اور ولی نہیں ہو سکتا خواہ تبرائی ہو یا غیر تبرائی۔ دونوں نام کے مومن ہیں۔ حقیقت میں دشمن اسلام اور ولایت متقی مسلمان ہی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ **ان اولیاءہ الا المتقون۔**

نمبر۷ تفاصیل بیان کر دی گئیں مطالعہ کرو۔ **واللہ اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحکم۔**

فتویٰ نمبر ۲۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک واعظ ہے۔ اکثر عورتوں کو اپنے سامنے بلا پردہ بٹھا وعظ کہا کرتا ہے اور منع کرنے پر احادیث پیش کرتا ہے۔ کہ حدیث سے ثابت ہے کہ عورتیں عید گاہ اور نمازوں میں جایا کرتی تھیں۔ حضور انور ﷺ اور اصحاب پاک خطبہ عید سے فراغت پا کر مجمع زناں میں تشریف لے جاتے تھے۔ حالانکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے ہمراہ ہوتے تھے اور آپ ان کو صدقہ کی رغبت دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورتوں کا مردوں کے سامنے منہ کھول کر واعظ کے سامنے آنا جائز ہے۔ نیز آیت پیش کرتا ہے۔ **ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر** اور کہتا

ہے کہ اجنبی عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز ہے باقی جسم کا چھپانا واجب یہی پردے کے معنی ہیں۔ فقہا کے اقوال پیش کرتا ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا چہرہ اور پہنچوں ہاتھ ستر نہیں۔ اس کے تمام دلائل کتابی شکل میں حاضر خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں۔ کہ آیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو ان دلائل کا کیا جواب ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

اجنبی مرد کا بے پردہ عورتوں کو اپنے سامنے جمع کر کے وعظ کہنا ناجائز ہے۔ تین وجہوں سے اولاً" تو اس لئے کہ عورتوں کا وعظ سننے کے لئے بے پردہ گھروں سے نکلنا منع ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اجنبی مرد کا عورتوں کا دیکھنا ناجائز۔ تیسرے اس لئے کہ ان عورتوں کا اجنبی مرد واعظ پر نظر ڈالنا غیر درست۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ **وقرن فی بیوتکن** اے نبی کی عورتو اپنے گھر میں رہو۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ **ای قرن فی بیوتکن لا تخرجن منها ولازمن الاقامة فیها۔** یہ خطاب اگرچہ ازواج مطہرات سے ہے۔ لیکن اس کا حکم عام عورتوں کے لئے بھی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ **اقمن الصلٰوة واتین الزکٰوة واطعن اللّٰه ورسوله۔** اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے سوائے ان سات ضرورت شرعیہ کے جن کی تفصیل فقہا نے فرمائی ہے گھر سے نکلنا جائز نہیں اور شرکت مجلس وعظ ان سات ضرورت شرعیہ میں سے نہیں۔ در مختار میں ہے۔ **ویکره حضور هن الجماعة ولولجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزا لیلاً علی المذهب المفتی به لفساد الزمان** جب جماعت نماز کے لئے جو اہم ترین عبادت ہے گھر سے نکلنا عورتوں کا جائز نہ ہوا تو مجلس وعظ میں شرکت کرنے کے لئے کیوں کر جائز ہو گا۔ بحر الرائق میں ہے۔ **ولا یحضرن الجماعة لقوله تعالیٰ وقرن فی بیوتکن وقال (صلی اللّٰه علیه وسلم) صلٰوتها فی**

قعر بیتها افضل من صلوتها فی صحن دارها الخ اسی میں ہے **ومتی کرہ حضور المسجد الصلوۃ فلان یکرہ حضورها مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذین حلوالحلیۃ العلماء اولٰی**۔ اسی میں ہے۔ **یجوز للخروج ان یاذن لها یاذن لها بالخروج الی سبعۃ مواضع زیارۃ الوالدین وعیادتهما وزیارۃ المحارم فان کانت قابلۃ اوغاسلۃ اوکان لها علی اخرها حق تخرج بالاذن وبغیر الاذن والحج علی هذا باب الامامۃ)** عالمگیری میں ہے **وکرہ لهن حضور الجماعۃ والفتوی الیوم علی الکراهۃ فی کل الصلوت لظهور الفساد**۔ دیکھو ہمارے فقاء کس شد و مد سے عورتوں کو مجلس وعظ میں شرکت کے لئے نکلنے کو منع فرمارہے ہیں۔ اگرچہ عورت پردہ کے ساتھ برقع اوڑھ کر ہی شرکت کرے۔ جب بھی خلاف احتیاط ہے۔ چہ جائیکہ بے حجاب شرکت کرے۔ رہی وہ احادیث جو مستدل مجوز نے اپنی تائید میں پیش کی ہیں۔ ان سے اس کا مدعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اولا" تو زمانہ اقدس میں عورتوں کا عید و مجالس وعظ میں شرکت ضرور تا" تھا کہ وہ وقت تبلیغ احکام شرعیہ کا تھا۔ عورتیں اگر ان مجالس میں شرکت نہ کرتیں تو اپنے متعلق احکام شرعیہ کس طرح معلوم کر سکتی تھیں۔ وہ زمانہ بھی نہایت پاکبازی دینداری کا تھا۔ پھر بھی پردہ کے اہتمام سے اس طرح معلوم کر سکتی تھیں۔ کہ کوئی ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرات ام المومنین محبوبہ محبوب رب العالمین صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ **کان رسول اللعہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الصبح فتنصرف النساء متلفحات بمروطهن ما یعرفن من الغلس**۔ اس خیرو برکت کے زمانہ میں اس قدر سخت ضرورت کی وجہ سے اتنی احتیاطوں کے ساتھ عورتوں کے مجالس وعظ میں شرکت کرنے پر اس زمانہ شرو فساد کو قیاس کرنا جبکہ ایسی ضرورت بھی نہ ہو۔ خصوصا بے پردگی کے ساتھ محض قیاس مع الفارق ہے۔ امیر المومنین غیظ المنافقین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عورتوں کو

مجالس وعظ و جماعات نماز سے ایک دم روک دیا۔ عورتوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی۔ کہ ہم کو فاروق اس امر خیر سے روک رہے ہیں۔ جس سے حضور ﷺ نے نہ روکا۔ تو انہوں نے جواب دیا **لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای ماحدث النساء بعدہ لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل (بخاری باب خروج النساء الی المساجد باللیل)** ردالمحتار میں اسی حدیث کو نقل فرما کر فرماتے ہیں۔ **وھذا فی نساء زمانھا فما ظنک بنساء زماننا** یعنی یہ ممانعت تو اس پاک زمانہ (خیر القرون) میں تھی۔ تو اس زمانہ شرو فتن کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ فقیر کی یہ مختصر تحریر ان تمام اوہام کو دفع کرنے کے لئے بفضلہ تعالیٰ کافی ہے۔ جو مستدل کو ان عبارات منقولہ سے پیدا ہو گئے۔

دوم اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا ناجائز ہے۔ **قال اللہ تعالی للمؤمنات یغضضن فی ابصارھن** امام احمد و ترمذی و ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ جس میں حضور ﷺ نے ان کو اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا۔ وہ تو نابینا ہیں۔ ہمیں تو دیکھتے نہیں تو ارشاد فرمایا کہ تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم بھی انہیں نہیں دیکھتیں **مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ کتاب النکاح قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبامنہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیا وان انتما الستما تبصرانہ۔** اسی حدیث کی شرح میں مرقات میں ہے۔ **قیل فیہ تحریم نظر المراۃ الی الاجنبی مطلقًا وبعض خصہ بخال خوف الفتنۃ علیھا۔** شیخ عبدالحق رضی اللہ عنہ اشعۃ اللمعات میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔ واستدلال کردہ اند بعضے برجواز نظر امراۃ بر اجنبی اگر دی نمی

بسند اورا و قول صحیح کہ جمہور بر آنند کہ حرام است از جہت قول حق سبحانہ قل للمومنات یغضضن من ابصارھن۔ وازجہت حدیث ام سلمہ افعمیا وان انتما۔ شروع باب العدۃ ردالمحتار میں ہے۔ وجہ الفرق کما فی الھدایۃ ان الشھوۃ علیھن غالبۃ وھو کالمتحقق اعتباراً۔

سوئم اجنبی مرد کا اجنبیہ عورت کو دیکھنا حرام ہے نہ اس لئے کہ اس کا چہرہ ستر عوت ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس میں خوف فتنہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ واذا سالتموھن متاعاً فاسئلو ھن من وراء حجاب۔ یہ آیت بھی ازواج مطہرات کی شان میں ہے لیکن حکم عام ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے لان مورده وان کان خاصاً فی حق ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن الحکم عام لکل من المؤمنات فیفھم منہ ان یحتجب جمیع النساء من الرجال ولا یبدین انفسھن علیھم قران کریم میں ہے۔ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کی بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ اللہ لعنت کرے دیکھنے والے پر اور اس عورت پر جسے دیکھے۔ مسلم و بخاری نے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ ارایت الحمو قال الحمو الموت۔ امام مسلم نے حضرت جریر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری۔

ان آیات قرآنیہ و احادیث سے ثابت ہوا کہ اجنبیہ کو اجنبی سے پردہ کرنا ضروری ہے رہی وہ آیت و احادیث جو مستدل جواز نے پیش کیں۔ وہ اس کے کلام کی تائید نہیں کرتیں۔ آیت تو اس لئے کہ اس میں لا یبدین زینتھن ہے۔ اس سے استدلال ہے اور یہ استدلال فاسد ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ آیت میں مواضع زینت کے اظہار کی

عورت کو اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے ہروقت چھپانے میں حرج عظیم ہے۔ اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔ یہاں فعل عورت (کشف) کا ذکر ہے۔ نظر جو فعل مرد ہے۔ وہ کس طرح جائز ہوگا تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ **فالمذکور فی الایۃ ما ھو من جانب المراۃ دون ما ھو من جانب الناظر واین ھذا من ذلک۔**

دوئم اس لئے کہ آیت میں یہ ذکر نہیں کہ محض نماز کے لئے یہ حکم ہے یا خارج نماز کے لئے بھی یا ضرورت کے موقعہ پر یہ حکم ہے یا کہ بلاضروت بھی تنہائی کی حالت میں یہ حکم ہے۔ یا اجانب کے سامنے بھی۔ تفسیرات احمدیہ نے بحوالہ بیضاوی فرمایا **ولا ظھرن ھذا فی الصلوۃ فان کل بدن المراۃ عورۃ لایحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شئی منھا الا لضرورۃ کالمعالجۃ وتحمل الشھادۃ ھذا کلامہ ولا یخفی حسنۃ۔** اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اور مفسرین کے اس قدر اختلاف کے باوجود استدلال کس طرح درست ہوگا۔ رہی وہ احادیث ان سے بھی استدلال تام نہیں۔ کہ ان احادیث سے عورتوں کا صرف عید وغیرہ کے موقعوں پر نماز میں یا مجالس وعظ میں آنا ثابت ہے۔ جس کا جواب ہم اوپر دے چکے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بے پردہ ہی ہوتی تھیں۔ اور مدعا یہی ہے اگر حضور اقدس ﷺ کے حضور بے پردہ بھی حاضر ہوئیں۔ تو ہم دوسروں کو حضور کی ذات کریمہ پر کس طرح قیاس کر سکتے ہیں۔ تمام جہان کی عورتیں حضور کی لونڈیاں ہیں بلکہ اس سے بھی کم قرآن کریم فرماتا ہے۔ **النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم۔** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کی ولایت ولی اقرب حتیٰ کہ اپنے نفس کی ولایت سے بھی قوی تر ہے لہذا حضور ﷺ پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حضور ﷺ سے پردہ نہیں۔ ہم نے وہ احادیث بعونہ تعالیٰ پیش کر دیں۔ جو صراحۃ" پردہ کو واجب کر رہی ہیں۔ رہے اقوال فقہاء اولا" تو اس میں خود ہمارے فقہا کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر حضرت ملا احمد جیون

رضی اللہ عنہم کے اقوال تفسیرات احمدیہ سے پیش کر چکے ہیں۔ جن فقہا نے جواز کا حکم دیا ہے۔ وہ شہوت نہ ہونے کی شرط پر موقوف ہے۔ پھر بھی بلا ضرورت مکروہ فرماتے ہیں۔ رد المحتار میں ہے۔ **وفی شرح الکرخی النظر الی وجه اجنبیة المراة لیس بحرام ولکنه یکره بغیر حاجة وظاهره الکراحة ولوبلا شهوة**۔ اس زمانہ کے لئے مطلقاً منع فرماتے ہیں در مختار میں ہے۔ **محل النظر مقید بعدم الشهوة والا فحرام وهذا فی زمانهم واما فی زماننا فمنع من الشابة**۔ رد المحتار میں ہے **لا لانه عورة بل لخوف الفتنة کما قدمه فی شروط الصلٰوة**۔ اس در مختار باب الستر میں ہے۔ **وتمنع المراة الشابة من کشف الوجه بین رجال کالانه عورة بل لخوف الفتنة**۔ رد المحتار میں ہے۔ **لانه مع الکشف قد یقع النظر الیها بشهوة**۔ خوف فتنہ کا اتنا لحاظ کیا گیا ہے کہ صالح عورت کو فاسقہ بازار میں پھرنے والیوں کے سامنے یا کافرہ عورتوں کے سامنے بے پردہ آنا منع ہے۔ اسی رد المحتار میں ہے۔ **ولا ینبغی للمراة الصالحة ان تنظر الیها المراة الفاجرة**۔ در مختار میں ہے **والذمیة کالرجل الاجنبی فی لاصح فلا تنظر الی بدن المسلمة**۔ بحر میں ہے۔ **قال مشائخنا تمنع المراة الشابة من کشف وجهها بین الرجال فی زماننا لفتنة**۔ لہٰذا واعظین کو بہت جلد اس رسم کو مٹانا چاہیے۔ ان میں تبلیغ یا تو ذریعہ کتب و رسائل کی جائے یا ذی علم عورتیں غیر ذی علم عورتوں کو احکام سکھادیں یا نہایت پردہ کے ساتھ واعظ سے بالکل علیحدہ ایک عمارت یا موٹے پردہ کی آڑ لے کر وعظ و احکام سنیں۔ مگر اس تیسری صورت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ اس میں یہ

ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مل کر ایک انجمن قائم کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کچھ رقم جمع کراتا رہتا ہے۔ اور یہ طے ہو جاتا ہے کہ اتنے زمانہ تک یہ رقم جمع کراتا رہے گا اور اس کے بعد اتنا روپیہ انجمن سے حاصل کرے گا۔ اب اگر ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ تو انجمن کو وہ تمام رقم ادا کرنی پڑے گی جو طے ہو چکی ہے۔ مثلاً اگر دس ہزار کا بیمہ کیا۔ اور بیس روپیہ ماہوار ادا کرنے کا تاحین حیات اقرار کیا۔ اب اس کا ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ تو بھی انجمن کو دس ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ اور اگر سو برس تک زندہ رہ کر مرا تو بھی اتنا ہی روپیہ۔ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

(۱) تھوڑی تھوڑی رقم جاتی ہے اور اکٹھی رقم آتی ہے۔

(۲) روپیہ محفوظ رہتا ہے اور اپنی اولاد کی طرف سے بے فکری رہتی ہے۔

ایسا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو وہ شرکت ہے یا امانت اور اگر ناجائز ہے تو کیوں بینوا توجروا۔

از اجمیر شریف

الجواب

اگر یہ بیمہ کمپنی خالص کفار کی ہے۔ اور بعد بیمہ اہل کمپنی اس شخص کو سفر حج یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روکتے اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو۔ تو بیمہ کرانا جائز ہے۔ جو فائدہ اس بیمہ کے ذریعہ بیمہ کرنے والا حاصل کرے وہ حلال ہے کہ یہ عقد یا تو عقد ربو ہے یا عقد قمار ربوا۔ تو اس لئے کہ جو رقم بیمہ والے سے کمپنی لیتی ہے۔ وہ یا تو بطور قرض لیتی ہے یا بطور بیع اور دونوں صورتوں میں بیمہ کرنے والا رقم بھی واپس لیتا ہے اور وہ منافع بھی حاصل کرتا ہے جو سائل نے بیان کئے۔ لہٰذا یہ ربو ہوا۔ بصورت قرض تو اس لئے کہ **کل قرض جر نفعا فھو ربو**۔ اور بصورت بیع اس لئے کہ یہ منافع خالی

عن العوض ہے۔ لہٰذا ربو ہے۔ بحر میں ہے۔ **فضل مال بلا عوض فی معاوضة مال بمال** درمختار میں ہے۔ **هو فضل خال عن العوض مشروط لاحدهما فی المعاوضة**۔ نیز اسی درمختار میں ہے۔ **فدخل ربو لنسیة والبیوع فکلها من الرباء**۔ قمار اس لئے کہ قمار میں ایجاب مال علی شرط الغلبة ہوتا ہے۔ (قاموس) اسی میں ہے کہ اگر صاحب بیمہ کی زندگی دراز ہوئی تو کمپنی کا غلبہ ہوا کہ اس کے پاس رقم زیادہ پہنچی۔ اور اگر اس کی عمر کم ہوئی تو اس کو نفع ہوا کہ رقم کم پہنچی اور زیادہ ہاتھ آئی اور تمامی عقود فاسدہ خواہ بیع بالشرط ہو یا ربوا یا قمار۔ ان کے ذریعہ کفار حربیہ سے اگر مسلمان کو نفع ہو تو جائز ہے اور اگر کفار کو ہو تو ناجائز۔ بحر میں ہے۔ **ای لا ربو بینهما فی دارالحرب عندهما خلافا لابی یوسف وفی البنایة وکذا اذا باع خمرا اوخنزیرا اومیة اوقامرهم واخذ المال کل ذلک یحل له**۔ اسی میں ہے **لا یخفی انه انما اقتضی حل مباشرة العقد اذا کان الزیادة ینالها المسلم**۔ درمختار میں ہے۔ **ولا بین حربی ومسلم لان ماله ثمه مباح فیحل برضاه مطلقًا بلا عذر**۔ ردالمحتار میں ہے۔ **حتی لوباعهم درهما بدرهمین اوباعهم میتة بدراهم او اخذ مالاً منهم بطریق القمار ما اذاحصلت الزیادة للمسلم**۔ اور شرعاً یہ عقد عقد شرکت نہیں کہ شرکت میں مال شرکت تو متعین و معلوم ہونا چاہیے اور مال ادا غیر متعین غیر معلوم ہونا چاہیے۔ شرکت میں خبر نہیں ہوتی کہ نفع ہو یا نقصان۔ اور اگر نفع ہو تو کتنا اور اگر نقصان ہو تو کس قدر مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ جو رقم بیمہ والے کو ملے گی۔ وہ تو معلوم ہے۔ مگر جو رقم کمپنی کو حاصل ہوگی وہ مجہول ہے کہ بروقت شرکت کسی کو خبر نہیں کہ اس شخص سے کتنا روپیہ وصول ہوگا۔ اگر موت جلد واقع ہوگئی۔ تو روپیہ کم وصول ہوا۔ بصورت دیگر زیادہ۔ اگر اس شخص نے بغرض شرکت بھی روپیہ دیا ہو۔ تب بھی شرکت فاسد ہے کیونکہ مقرر کر دیا گیا ہے کہ اتنا روپیہ واپس لوں گا۔ اور شرکت فاسدہ قرض بن جاتی ہے۔ درمختار میں ہے۔ **وتفسد باشراط دراهم مسماة**

من الربح لاحدهما لقطع الشركة ردالمحتار میں ہے۔ **وذالک یقطعها فتخرج الی القرض او للبضاعة۔** اور نہ یہ امانت ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف میں کسی حاکم یا غیر حاکم کو یہ اختیار ہے یا نہیں کہ وہ شرائط واقف کے خلاف کوئی کارروائی وقف میں کرے یا وقف کے مقرر کردہ متولی کو متولی ہوتے ہوئے معزول کر کے کوئی کمیٹی مقرر کریں جسے وقف کے انتظامات سپرد ہوں اگر نہیں تو یہ زبردستی مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

نمبر۲ وقف جائیداد کے سابق مقرر کردہ لگان میں کمی کر دینا جس سے آمدنی کم ہو جائے جائز ہے یا نہیں؟ نیز وقف کی آمدنی میں سے ایک بڑی رقم لے کر قائم کردہ نیا دفتر یا کمیٹی یا بورڈ پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وقف کی آمدنی سے چندہ یا ٹیکس لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از پٹنہ

الجواب

نمبر۱ شرائط واقف کی مخالفت شرعاً جائز نہیں۔ حتی کہ سلطان اسلام اور قاضی وغیرہ کسی کو درست نہیں۔ چہ جائیکہ غیر مسلم حکومت کو۔ واقف کی شرطیں نصوص شرعیہ کی طرح شرط واجب العمل ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ **ما خالف شرط الواقف فهو مخالف النص وهو حکم لا دلیل علیه وهو موافق لقول مشائخنا کغیرهم شرط الواقف کنص الشارع فتجب اتباعه۔** در مختار میں ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفہوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ واقف نے جس کو متولی قرار دیا اسے قاضی یا حکومت اپنی رائے سے معزول نہیں کر سکتے۔ نیز اگر متولی سابق جس کسی کو اپنا قائم مقام کر کے انتقال کر گیا ہو تو اس کے بھی معزول کرنے کا حکومت یا کسی اور کو حق نہیں۔ اگر حکومت کسی کو متولی کو بھی دے تب بھی اس کی تولیت شرعاً جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وقف نے کسی کی نسل کے لئے تولیت نامزد کر دی تو اس نسل میں رہے گی۔ حکومت یا کسی کو اس سے تولیت نکالنا جائز نہیں ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ اذا مات المتولی المشروط لہ بعد الواقف فالقاضی ینصب غیرہ وشرط فی المجتبیٰ ان لا یکون المتولی اوصی لآخر عند موتہ فان اوصی لا ینصب القاضی۔ عالمگیری میں ہے۔ شرط الواقف ان یکون المتولی من اولادہ واولاد اولادہ ھل للقاضی ان یولی غیرہ بلاخیانتہ ولو ولاہ ھل یکون متولیا قال الشیخ الاسلام برہان الدین لا۔ لہٰذا مسلمانوں کے اوقاف میں خلاف منشاء واقفین تصرف کرنا یا متولی مقرر کو تولیت سے علیحدہ کرنا جائز اور مداخلت فی الدین ہے۔

نمبر۲ تحقیقات اوقاف کے دفاتر کے مصارف بورڈ یا کمیٹی کے اخراجات بذریعہ ٹیکس یا چندہ وقف سے وصول کرنا ناجائز ہے۔ واقف نے وقف کے جو مصارف مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں وقف کے سابق لگان میں کمی کرنے سے وقف کا نقصان ہے اور جو چیز بھی وقف کو مضر ہے ناجائز ہے۔

فتویٰ نمبر ۷ ۲ رد مولوی کفایت اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؐ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ

مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ جو مفتی کفایت اللہ کی تصحیح سے طریق ایصال ثواب تیجہ' دسواں' بیسواں چالیسواں سہ ماہی برسی وغیرہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے۔ بالکل غلط و باطل ہے۔ اس میں مفتی نے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی فعل رسول اللہ ﷺ آپ کے صحابہ تابعین تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اس سے مفتی کی کیا مراد ہے۔ آیا یہ کہ ان امور کی اصل ثابت نہیں یا کہ ہیئات ثابت نہیں۔ بہ تقدیر اول غلط کہ ان تمام امور کی اصل طاعات سے ایصال ثواب کرنا ہے۔ اور بالیقین قولاً" و فعلاً" رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور عقائد اہل سنت میں سے ہے۔ شرح عقائد میں ہے۔ **وفی دعاء الاحیاء للاموات و صدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للموات۔** اور احادیث کثیرہ سے ایصال ثواب ثابت ہے۔ اس کو یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ صحابہ کرام نہ تابعین نہ تبع تابعین اجمعین سے نہ آئمہ مجتہدین سے کذب محض اور افتراء خالص اور بہتان ہے۔ دنیا میں ایسا مفتی بھی موجود ہے جس کو یہ خبر نہیں کہ ایصال ثواب خود حضور سے ثابت ہے۔ حضور کے اصحاب و اتباع کا معمول ہے یہ علم اور فتویٰ نویسی۔ **لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم** اور اگر مراد یہ ہے کہ ہیئات ثابت نہیں تو اس پر دلیل شرعی قائم کرنی ہوگی کہ کسی چیز کی مشروعیت کے لئے اس کے جملہ خصوصیات و ہیئات کا اثبات بھی ضروری ہے۔ ایسا ہو تو قرآن کے اعراب اس کے پارے منزلیں رکوع وغیرہ مقرر کرنا اور کتب احادیث جمع کرنا اور ضبط احوال رواۃ یہ سب بدعت ہوں گے تدوین علوم دینیہ و تفاسیر قرآن و مدارس اسلامیہ سب ممنوع ہو جائیں گے کہ یہ امور مع اپنی خصوصیات و ہیئات کے زمانہ اقدس میں ثابت ہی نہیں۔ لہٰذا کسی شق پر بھی مفتی کا کلام صحیح نہیں۔

اس کے بعد مفتی نے لکھا ہے کہ جو چیز خود یا اپنی مثال اور نظیر کے ساتھ خیر القرون میں کسی وقت نہ پائی جائے۔ اس کو حکم شرعی سمجھا جائے۔ وہ بدعت اور قابل ترک ہے۔ اور اس کا مرتکب گنہگار ہے۔ مفتی صاحب مثل و نظیر سے کیا مراد لیتے ہیں۔ یہ ہی کہ اس

شے کی ہو بہو نقل خیر القرون میں نہ ہو۔ تب تو ان کی فتویٰ نویسی بھی بدعت کہ اس طرح کا فتویٰ دینا۔ مہریں لگانا خیر القرون میں کہاں تھا۔ مدرسہ امینیہ ہی بدعت۔ ایسے مدرسہ ان خصوصیات و ہیئات کے ساتھ خیر القرون میں کب پائے گئے تھے۔ اور اگر یہ خصوصیات ملحوظ نہیں تو ایصال ثواب بیشک پایا گیا تھا۔ ہندوستان میں سبیل لگائی جاتی ہے۔ شربت اور پانی پلایا جاتا ہے زمانہ نبوی میں کنواں بنا کر ایصال ثواب کیا گیا تھا۔ اس صورت میں امور مذکورہ کو بدعت قرار دینا جہل اور باطل ہے۔ پھر بدعت میں خیر القرون کی قید کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ خیر القرون میں اگر کوئی امر حادث ہو۔ خواہ کیسا ہی ہو بدعت ہو ہی نہیں سکتا یہ کہئے تو رفض و خروج کچھ بھی بدعت نہ ہو اور روافض و خوارج اہل بدعت نہ رہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں زمانہ تابعین میں پیدا ہو چکی تھیں۔ مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ اس کو حکم شریعت سمجھا جائے۔ اس سے ان کی کیا مراد ہے آیا یہ کہ اس کو مباح سمجھا جائے۔ رخصت سمجھا جائے جب بھی حکم شرعی کا صدق اس پر ہو گیا یا یہ کہ اس کو ان خصوصیات و ہیات کے ساتھ مطلوب اور مامور سمجھا جائے۔ یہ معنی کبھی مفتی صاحب کے تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے لفظ لکھتے ہیں اور معنی نہیں سمجھتے۔ اس کی تو مفتی صاحب کو تکلیف دیجئے کہ وہ حکم شرعی سمجھنے کا مقصد بیان کرے مگر اس کا یہ حکم اس کے سارے فتوے کو باطل کرتا ہے کیونکہ مفتی نے اس کے اوپر لکھا ہے کہ تمام رسومات کے لوگوں کے اختراعات ہیں۔ تو جو چیز بقول مفتی رسوم میں داخل ہے اور اس کے عامل اس کو رسوم سمجھ کر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ حکم شرعی نہیں سمجھی گئی۔ لہٰذا مفتی کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوئی اور مفتی کا اس کو بدعت اور قابل ترک اور اس کے مرتکب کو گنہگار بتانا غلط اور باطل ہوا۔ اور ایسے باطل حکم کو جو اپنے دل سے گھڑا ہو۔ بصورت فتویٰ لکھ کر یہ ظاہر کرنا کہ یہ حکم شرعی ہے۔ ایسے بدعت سیہ ہے۔ جس پر اس مفتی کی تعریف پوری صادق آتی ہے۔ آخر میں مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ لہٰذا یہ تمام رسوم بدعات ہیں۔ اور ان کا ترک کرنا اور ان کے ترک رکوانے

میں کوشش ہر مسلمان پر لازم ہے۔ بحمد اللہ خوب واضح ہو چکا کہ امور مذکورہ ثابت الاصل ہیں۔ ان کے بدعت ہونے کا حکم باطل ہے۔ پھر ان کے ترک کرنے اور کرانے کی کوشش کرنا منع خیر ہے۔ آگے جو حدیثیں لکھی ہیں۔ من احدث فی امرنا الحدیث اور وکل بدعة ضلالة الحدیث اور ومن رای منکرا۔ الحدیث ان کے معانی مفتی صاحب سمجھے یا نہ سمجھے مگر کانگرس کا اتباع اور اس کی ہر امر میں موافقت اور اپنی زندگی کو کانگرسی طواغیت کے اشارہ ابرو پر نثار کرڈالنا۔ یہ تمام چیزیں مفتی صاحب کی نظر میں ان احادیث میں سے کسی حدیث کا مصداق نہیں بنتیں۔ اللہ تعالیٰ حق کہنے حق بولنے حق ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سیدنا محمد واله واصحابه اجمعین برحمته وھو ارحم الرحمن۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

نمبر ۱ کسی کافر کے ہاتھ مسلمان کا ذبح کیا ہوا گوشت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مراد آباد سے رامپور کسی دوست کے پاس کسی کافر غیر کتابی کے ہمراہ گوشت بھیجا جائے اور مسلمان ہمراہ نہ ہو؟

نمبر ۲ یا ایسا شکار مع پوست و پر کے بھیجا جائے کہ جس کا مثل ملنا بہت دشوار ہے؟

نمبر ۳ پکا ہوا سالن یا حلوہ مٹھائی وغیرہ بھیجنے کا کیا حکم ہے؟

نمبر ۴ اگر کسی نے بھیج دیا تو اس کو کیا کیا جائے گا؟ **بینوا بالکتاب وتوجروا الی یوم الحساب۔**

الجواب

گوشت و دیگر اشیاء کافر کے ہاتھ ہدیتہ بھیجنا جائز ہے اور جس کے پاس بھیجا گیا۔ اس کا ان چیزوں کو کھانا حلال اس لئے کہ کافر کا یہ کہنا کہ یہ تمہارے دوست کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے۔ معاملات کی ایک خبر ہے اور معاملات میں خبر کفار معتبر ہے در مختار میں ہے **ویقبل قول الکافر ولو مجوسیا قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل اوقال اشتریته من مجوسی فیحرم واصله ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لانی الدیانات** شامی میں ہے۔ **ان قوله شریته من المعاملات و ثبوت الحل والحرمة فیه ضمنی فلما قبل قوله فی الشراء ثبت ما فی ضمنه۔** ہاں کافر سے گوشت خریدنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ یہی کہے کہ مسلمان کا ذبح کیا ہو ہے۔ اس لئے یہ بات دیانات کی ہے جو کہ کافر سے مسموع نہیں۔ لہٰذا اس میں اور پہلی صورت میں فرق ہے **کما ثبت بالعبارة المذکورة واللّٰه تعالیٰ اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحکم۔**

فتویٰ نمبر۲۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چلتی ہوئی ریل میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

نمبر۲ اگر وقت نماز جا رہا ہے اور ریل کے رکنے کی توقع بھی نہیں یا ریل رکتی تو ہے لیکن اتنی کم مدت کہ اس وقت میں فرض ادا ہونا ممکن نہیں ہے نیز اگر کسی نے پڑھ لی تو کیا کیا جائے گا؟

نمبر۳ مسافر کا کام اتنا ضروری ہے کہ اگر دوسری گاڑی سے جاتا ہے تو مقصود سفر ہی فوت ہوا جاتا ہے یا دوسری گاڑی جاتی ہے۔ یا کام غیر ضروری ہے۔ مثلاً سیر کرنے جا رہا

ہے۔ تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟
نمبر۴ اس مسئلہ کو کشتی پر قیاس کرنے میں کونسی قباحت ہے؟
نمبر۵ اس مسئلہ کو قافلہ کے مسئلہ پر قیاس کریں گے یعنی جیسے وہاں چلتے اونٹ پر نماز جائز ہے۔ یہاں جائز ہوگا یا نہیں؟

بچھرایوں

الجواب

نمبرا نماز فرض واجب اور سنت فجر چلتی ہوئی گاڑی میں ناجائز ہے۔ اور نفل و دیگر سنن جائز۔ اس لئے کہ فرائض وغیرہ میں جگہ کا ایک رہنا اور قبلہ کو نمازی کا منہ ہونا شرط ہے۔ اور چلتی ہوئی ریل اور دیگر سواریوں میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ لہٰذا کسی چلتی ہوئی سواری پر یہ نمازیں جائز نہیں۔ بجز کشتی و جہاز کے۔ درمختار میں ہے۔ **ولو صلی علی دابة فی شق محمل وهو یقدر علی النزول لا تجوز الصلوٰة علیها وهذا کله فی الفرض والواجب بانواعه وسنة الفجر واما فی النفل فتجوز علی المحمل والعجلة مطلقًا**۔ درمختار میں ہے۔ **والحاصل ان کلا من اتحاد المکان واستقبال القبلة شرط فی الصلوٰة غیرا لنافلة**۔ عالمگیری میں ہے۔ **ولا تجوز المکتوبة علی الدابة الامن عذر وکذالواجبات مثل الوتر والمنذور**۔ شامی میں ہے۔ **اذا کانت العجلة علی الارض ولم یکن شئی منها علی الدابة وانما لها حبل تحیر ها الدابة به تصح الصلوٰة علیها وکانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلوٰة علیها بلا عذر (ملخصًا)**

نمبر۲ اس صورت میں آخر وقت تک ریل کے رکنے کا انتظار کرے۔ جب وقت جاتا دیکھے تو پڑھ لے اور بعد میں بوقت موقع قضا کرے کہ ریل کا کم ٹھہرنا ان اعذار میں

سے نہیں، جن سے نماز سواری پر جائز ہوتی ہے۔

نمبر۳ اس کا جواب اوپر گزر گیا۔

نمبر۴ اس مجبوری سے سفر غیر ضروری منع نہ ہوں گے کیونکہ نماز کی صورتیں اس میں ممکن ہیں۔ **کما لا یمنع من الجماع فاقد الماء** کشتی پر ریل کا قیاس صحیح نہیں کہ وہ پانی پر چلتی ہے اور ریل زمین پر اور کشتی بھی اگر کنارہ پر کھڑی اور اترنا ممکن ہو تو کشتی میں بھی یہ نمازیں جائز نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔ **وان لم تکن مستقرة وتمکنه الخروج عنها لم تجز الصلٰوة فیها۔**

نمبر۵ اونٹ کا حکم بھی یہی ہے کہ نفل نماز اس پر جائز ہے۔ اور فرض وغیرہ ممنوع بلکہ اونٹ تو اگر کھڑا ہو جب بھی اس پر فرض وغیرہ نمازیں جائز نہیں۔ بخلاف ریل اور دیگر چار پہیوں والی گاڑی کے کہ اگر کھڑی ہوں تو ان پر نماز جائز کہ یہ مثل تخت کے ہیں۔ لہٰذا ان کا اونٹ پر قیاس کیسا؟ اور قیاس سے کیا فائدہ؟

فتویٰ نمبر ۳۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ کو۔ ۳۱ روپیہ سرکار سے پنشن ملتی ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ اپنی پنشن میں سے دس روپیہ سرکار کے ہاتھ فروخت کر دوں۔ اس کی قیمت اپنے لڑکے کی شادی میں خرچ کروں از روئے شرع اب جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

پنشن گورنمنٹ کی طرف سے ایک انعام ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے کارگزار ملازموں کو دیا جاتا ہے۔ کل پنشن یا بعد کے بدلہ میں نقد روپیہ لینا حقیقت میں انعام کے

عوض دوسرا انعام لینا ہے۔ گویا تبدیل انعام بالانعام ہے۔ نہ یہ بیع ہے اور نہ رشوت لہٰذا اس میں کوئی قباحت نہیں۔ **کما فی العرية فانها مبادلة بهيئة يا زیادہ سے زیادہ** ایک حق (پنشن) بعوض چھوڑنا ہے اور حقوق نافع بعوض مل چھوڑنا جائز ہیں **للعرف** بخلاف حقوق دافع ضرر کے۔ درمختار میں ہے۔ **فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال** شامی میں ہے **يجوز اخذ العوض على وجه الاسقاط للحق**۔ اسی میں ہے **هذا حق جعله لدفع الضرر وذالک حق فيه صلة فلا جامع بينهما فافترقا۔ الاشباه والنظائر** میں ہے۔ **قد تعارف الفقها بقاهرة النزول عن الوظائف بمال يعطى لصاحبها وتعارفوا ذالک فينبغى الجواز**۔ بحرحال یہ عمل جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحیح تاریخ ولادت باسعادت کیا ہے۔ آیا یکم ربیع الاول یا ۹ یا ۱۲؟ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۲ ربیع الاول سے انکار کیا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ اس میں ترجیح کس تاریخ کو ہے اور کس پر اتفاق ہے۔

الجواب

تمام اہل سیرو تاریخ اس پر متفق ہیں۔ کہ روز ولادت باسعادت دوشنبہ مبارکہ ہے۔ اختلاف تین چیزوں میں ہے۔ اولاً یہ کہ سال کون سا تھا۔ دوم یہ کہ مہینہ کیا تھا۔ سوم یہ کہ تاریخ کیا تھی۔ سال کے بارے میں اصح یہ ہے کہ وہ سال فیل تھا۔ ہلاکت اصحاب فیل

سے پچپن دن کے بعد ولادت مبارکہ ہوئی۔ لہٰذا اپریل ۵۷۰ء تھی۔ مہینہ کے بارے میں چھ قول ہیں۔ محرم' صفر' ربیع الاخر' رجب' رمضان لیکن صحیح ربیع الاول ہے۔ تاریخ کی بابت سات قول ہیں۔ ۲۔ ۸۔ ۱۰۔ ۱۲۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۲۲ ان سب میں مشہور تر اور معمول بہ قول بارہ کا ہے۔ لہٰذا قابل عمل و قبول یہ قول ہے کہ ولادت مبارکہ ۱۲ ربیع الاول دو شنبہ مطابق اپریل ۵۷۰ء بوقت صبح صادق ہوئی اور اسی پر اہل عرب و عجم کا اتفاق ہے۔ اور اہل تاریخ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں اسی تاریخ میں محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور اسی تاریخ میں اہل مکہ مکرمہ مولد پاک مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ مدارج میں فرماتے ہیں۔ کہ مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود و در دوازدہم ربیع الاول بود بعضے گفتہ اند کہ بدو شے کہ گذشتہ بعض ہشت شے کہ گذشتہ و نزد بعضے دہ آمدہ و قول اول اشہر و اکثر است و عمل اہل مکہ بر ایں ست در زیارت کردن ایشاں موضع ولادت دریں شب و خواندن مولود' مواہب و زرقانی میں ہے۔ **فقیل ولد للیلتین خلتا منه وقیل لثمان خلت منه وقیل اثنا عشر من ربیع الاول وعلیه عمل اهل مكة قدیما وحدیثا فی زیارتهم موضع مولده فی هذا الوقت ای ثانی عشر ربیع الاول وقیل لسبع عشرة ربیع الاول وقیل ثمان عشرة والمشهورانه صلی الله علیه وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وهو قول محمد ابن اسحٰق وغیره قال ابن كثیر وهو المشهور عند الجمهور وبالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیه الاجمع وهو الذی علیه العمل** تاریخ ترجمہ ابن خلدون سوم صفحہ ۷ میں ہے۔ جمہور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب کے انتقال کے چند مہینہ بعد بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے برس پچپن روز کے بعد آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔ اس میں حاشیہ پر ہے۔ عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق ہے۔ اسی میں حاشیہ پر ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی۔ غرض قابل

اعتماد و مشہور ترین روایت یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول دو شنبہ صبح صادق ہوئی۔ ۹ ربیع الاول کا کسی نے قول نہیں کیا۔ جبکہ اوپر کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ مولوی منظور صاحب کا ۹ کو ترجیح دینا جہالت ہے۔ جب ۹ کو قول ہی نہیں تو ترجیح کیسی؟ زیادہ تحقیق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ نطق الھلال میں دیکھو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جدید طریقہ فوٹو گرافی سے جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھچوانا جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو کیوں؟ اور ناجائز ہے تو کیوں؟ اور اگر ناجائز ہے تو شرعاً کھینچنے اور کھچوانے والے کا کیا حکم ہے۔ اور ضرورت شدیدہ میں جیسے پاسپورٹ وغیرہ کے موقعہ پر یہ فوٹو کھچوانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جاندار کی تصویر کھینچنا یا کھچوانا مطلقاً ناجائز ہے۔ خواہ قلم سے۔ کھینچی جائے یا فوٹو سے لی جائے یا مٹی لوہے پتھر وغیرہ کی بنائی جائے۔ مسلم و بخاری نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمائی۔ **ان اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم احيوا ما خلقتم۔** انہی بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ **اشد الناس عذابا يوم القيامة الذين يضاهؤن بخلق الله۔** نیز انہیں بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔ **اشد الناس عذابا عند الله المصورون۔** بخاری میں ہے۔ **من صور صورة عذب به۔** سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ **فان كنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر وما لا روح فيه۔** در مختار میں ہے۔ **هذا**

کلہ فی انشاء الصورۃ اما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لانہ مضاھاۃ بخلق اللہ۔

ان احادیث و عبارات فقہیہ سے معلوم ہوا کہ جاندار کی تصویر بنانا مطلقا ناجائز ہے۔ بنانے والا سخت گنہگار ہے اور مستحق عذاب۔ فوٹو کو آئینہ کی صورت پر اس لئے قیاس کرنا کہ ان دونوں میں صورت خود بخود چھپ جاتی ہے اور فوٹو گرافر اس میں کوئی عمل نہیں کرتا غلطی ہے اس لئے کہ ان دونوں میں چند وجوں سے فرق ہے۔ اولاً تو آئینہ میں صورت لینے سے وہ تصویر مقصود نہیں بلکہ اپنے چہرہ کے نقائص و عیوب یا خوبیاں معلوم کر کے نقائص کو دور کرنا ہے۔ لہٰذا اس کو تصویر سازی کہنا ہی بے جا ہے۔ بخلاف فوٹو کے کہ اس میں صورت ہی مقصود ہے۔ دوم آئینہ کی صورت کو بقا نہیں۔ جہاں مقابل سے ہٹایا' صورت غائب ہو گئی۔ فوٹو کی صورت باقی ہے اور باقی رہنے والی صورت کشی حرام ہے۔ سوم اگرچہ فوٹو میں صورت خود بخود آتی ہے۔ لیکن اس کو باقی رکھنے کے لئے عمل کیا جاتا ہے اس کو صاف کیا جاتا ہے۔ جو کہ ہمارے فعل ہیں۔ چہارم' فوٹو کے یا تصویر کے حرام ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مشرکین اس کی پرستش کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا بنانا منع کر دیا گیا اور چونکہ غیر جاندار کی پرستش نہیں ہوتی۔ اس کی اجازت دی گئی۔ فوٹو اور قلمی تصویر کی یکساں پرستش کی جاتی ہے بلکہ فی زمانہ مشرکین فوٹو ہی کی زیادہ پرستش کرتے ہیں۔ آئینہ کی صورت نیز دھوپ یا چاندنی کا سایہ پوجا نہیں جاتا لہٰذا فوٹو حرام ہے کہ اس میں حکمت ممانعت موجود ہے۔ اور آئینہ وغیرہ میں صورت دیکھنا جائز کہ اس میں علت حرمت مفقود۔ اسی لئے پیپل کے درخت یا آفتاب یا چاند یا آگ کی تصویر حرام نہیں۔ کہ اگرچہ یہ تمام چیزیں پوجی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی اصل کی پرستش ہے۔ لیکن ان کی تصویر کی پرستش نہیں۔ اگر جاندار تصویر کا سر غائب کر دیا گیا تو اب اس کا رکھنا مضر نہیں۔ نیز اگر جاندار کے صرف جسم کی تصویر قلم سے بنائی سر نہ بنایا تو جائز اور صرف سر و چہرہ کا نقشہ بنایا تو حرام کہ صرف سر و چہرہ کی پرستش ہے۔ صرف جسم کی نہیں۔

ردالمحتار میں مقطوعۃ الراس کے تحت میں ہے۔ **لانها لا تعبد بدون الراس عادة وقيد بالراس لانه لا اعتبار بازالة الحاجبين او العينيين لانه تعبد بدونهما۔** اسی شامی میں ہے۔ **فان قيل عبد الشمس والقمر والكواكب والشجرة الخضراء قلنا علينه لا تمثاله۔** پنجم۔ تصویر کی ممانعت نص سے ثابت ہے اور حضور انور ﷺ کا چہرہ مبارکہ کو آئینہ میں ملاحظہ فرمانا بھی نص سے ثابت ہے۔ **كما فی الحدیث** لہٰذا پانی اور آئینہ کی شکل کا جواز تو نص میں آگیا۔ فوٹو کے جواز کے لئے کون سی نص ہے۔ لہٰذا یہ تصویر ہی کے حکم میں داخل رہے گا۔ تصویر کھینچنے والے کے احکام مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو گئے۔ کہ ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ وہ شریعت کے بڑے مجرم ہیں۔ ان سے قیامت میں کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جان ڈالو۔ یہ لوگ مرتکب حرام ہیں۔ تاوقتیکہ اس سے تائب نہ ہوں۔ ان کو امام نہ بنایا جائے۔ نیز تصویر کھچوانا بھی اسی جرم میں داخل ہے۔ **لانه اعانته على المعصية ورضاع به۔** اور ضرورت شرعیہ کے موقعہ پر تو ہر جگہ مستثنیٰ رہتے ہیں کہ۔ **الضرورات تبيح المحظورات۔** واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ذیل کی آیات کی تحریر کردہ تفسیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

والشمس وضحها ○ **والقمر اذا تلها** ○ قسم ہے اس رخ انور کی جس کا فیض خاص و عام ہے۔ قسم ہے اس رخ جمال کی جس کی شیدا ہر جان ہے۔ **یایها المزمل** ○ اے سایہ رحمت رکھنے والے سارے جہان پر (کمبل کی صورت میں) **یایها المدثر** ○ اے سایہ رحمت رکھنے والے اسلام پر (چادر کی صورت میں) **الم**

الف اللہ، لام جبریل، میم محمد۔

الجواب

توجیہات مذکورہ ان آیات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ تاویلیں ہیں۔ ان میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔ بالکل درست اور صحیح ہیں۔ اس قسم کی تاویلیں اور توجیہیں مفسرین کرام کرتے ہیں۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے:۔

فقالوا مثلا فی الم الف اللہ ولام جبریل ومیم محمد یعنی ارسل اللہ جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالقرآن اوالف انا واللام اللہ والمیم اعلم یعنی انا اللہ اعلم۔ اسی طرح روح البیان میں والضحیٰ واللیل اذا سجی کی توجیہہ یہ بھی کی ہے۔ یا اشارت ست بروشنی روئے حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام و کنایت ست از سیاہی موئے وے صلی اللہ علیہ وسلم۔

والضحیٰ رمزے زروے ہمچوماہ مصطفیٰ۔۔ معنی واللیل گیسوئے سیاہ مصطفیٰ

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دو طالب علم قیام پذیر ہیں اور مسجد مذکورہ میں ایک حجرہ ہے جو ان کو رہنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور طالب علمان مذکورہ کے پاس دو چارپائیاں ہیں جن کو کبھی اندر اور کبھی باہر بچھا لیتے ہیں۔ اب ان چارپائیوں کو انہوں نے مسجد کے اندر بچھانا شروع کیا ہے اور لالٹین میں مٹی کا تیل پڑا ہوتا ہے۔ اس کو رکھ کر اخبار بینی کرتے ہیں۔ یہ فعل ان کا جائز ہے یا ناجائز اور ان کے اس فعل سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہ؟

از مغلپورہ۔

الجواب

مسجدیں نماز و عبادت کے لئے ہیں۔ ان میں کوئی دنیاوی کام بلاضرورت جائز نہیں اور اگر ضرورتاً کسی کام کی اجازت دی جائے گی تو بقدر ضرورت۔ نیز اس کا ادب و احترام بہت ضروری ہے اولاً "مسجد میں سونا مسافر اور معتکف کے سواء کسی کو جائز نہیں ہے۔ در مختار میں ہے۔ **ویکرہ اکل ونوم الا المعتکف وغریب** طلباء اگر پردیسی ہوں اور دوسری جگہ سونے کا انتظام نہ ہو سکے۔ تو ان کو مسجد میں سونا جائز ہے۔ لیکن چارپائی بچھانا ضرورت سے زائد کام ہے اور مسجد کے ادب کے خلاف' اس لئے جائز نہیں۔ اگر کوئی مسجد میں میز و کرسی لگائے تو ضرور اسے روکا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ فعل ادب مسجد کے خلاف ہے۔ اسی طرح چارپائی کا بچھانا بھی آداب مسجد کے خلاف ہے۔ لہٰذا منع کیا جائے گا۔ اسی طرح مسجد میں مٹی کا تیل جلانا بھی جائز نہیں کہ مٹی کا تیل بدبودار چیز ہے۔ مسجد میں لانا جائز نہیں۔ لہسن و پیاز کچی کھا کر جس کی منہ سے بو آتی ہو۔ مسجد میں آنا منع ہے۔ شامی میں ہے۔ **الحدیث الصحیح فی النھی عن قربان اکل ثوم والبصل المسجد۔** اسی میں ہے۔ **ویلحق مما نص علیه فی الحدیث کل ماله رائحة کریھة ماکولاً او غیر ماکول۔** ہاں اگر کسی صورت سے مٹی کے تیل کی بدبو اڑا دی جائے یا اس طرح لیمپ وغیرہ میں بند کیا جائے تو اس کی بدبو ظاہر نہ ہو تو جائز ہے۔ مسجد میں اخبار بینی اگر دینی ضرورت کی وجہ سے ہو تو جائز ہے ورنہ منع کہ یہ دنیاوی فعل ہے۔ جیسے دنیا کی باتیں مسجد میں کرنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج لائن پر جو جہاز چلتے ہیں وہ سندھیا کمپنی کے ہیں یہ ایک ہندو کمپنی ہے اور اس نے جدہ میں اپنا دفتر قائم کیا ہے۔ زمانہ حج میں اس کے دفتر مکہ مکرمہ اور منی وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی اسلام دشمنی جس حد پر پہنچ چکی ہے وہ ظاہر ہے کہ انہیں مسلمانوں کی کسی تباہی پر بھی صبر نہیں اور وہ ہر دم مسلمانوں کو برباد کرنے کی سرگرم کوششوں میں مشغول ہیں۔ ان کی زبانوں سے ان کے ناپاک ارادوں کا اظہار بھی ہو چکا ہے۔ کہ معاذ اللہ کعبہ معظمہ پر آدم کا جھنڈا گاڑیں گے۔ اور اپنے دین باطل کی تبلیغ کریں گے۔ عدن بھی ہندو پہنچ چکے ہیں اور ان کی ساہو کاری وہاں کے مسلمانوں کا اسی طرح شکار کر رہی ہے۔ جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو برباد کر چکی ہے۔ عراق بھی ہندو پہنچ گئے ہیں' اور اپنے دین باطل کی دھن میں ہیں۔ ان حالات میں اندیشہ ہے کہ اگر سندھیا کمپنی کے جہازوں میں حاجی سفر کرتے رہے اور جدہ ان کا مستقر بن گیا تو غریب عرب ان کی ساہو کاری سے بہت جلد تباہ ہو جائیں گے اور ان کی املاک و اراضی اور بلاد مقدسہ کی زمینیں ان کے قبضہ میں آجائیں گی۔ اور جس طرح فلسطین میں یہودیوں کی آبادی عربوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ مصیبت حجاز کی سرزمین میں رونما ہو گی۔ ان خطرات کے پیش نظر مسلمانوں کو مدینۃ النبی وغیرہ سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاد عرب خصوصاً حجاز مقدسہ کی سرزمین پاک **زادھا اللہ تعالیٰ عزۃ وعظمۃ وصانھا عن کل فتنۃ وحفظ اھلھا من شر کل ماکد وکائد بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم** کو کفار و مشرکین سے محفوظ رکھنا اور ان کی دست برد سے بچانا

بہت اہم ہے اور اہم واجبات میں سے ہے۔ کیونکہ کفار و مشرکین نجس ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ **انما المشرکون نجس** اور ملک عرب خصوصاً حجاز مقدس پاک اور مرکز اسلام ہے۔ ان نجس لوگوں کے خطرہ تسلط سے اس سرزمین کو بچانا بہت اہم ہے۔ نیز حضور انور ﷺ نے اپنے آخری عہد مبارک میں خطہ عرب کو کفار و مشرکین سے پاک کرنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ صحیح مسلم و صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ **لما اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال اخرجو المشرکین من جزیرۃ العرب۔** اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب۔** اسی طرح سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مؤطا میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے روایت کی۔ **بلغنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبقین دینان بجزیرۃ العرب۔** مسلم نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ **انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاخرجن الیہود والنصرٰی من جزیرۃ العرب حتٰی لاادع فیہا الا مسلما۔**

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے کفار و مشرکین سے جزیرہ عرب کو پاک کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔ اسی فرمان عالی شان پر عمل کرتے ہوئے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلاد عرب سے تمام کفار کو نکال دیا۔ حتیٰ کہ ملک عرب میں صرف مسلمان ہی رہے۔ مؤطا امام محمد میں ہے۔ **فاخرج عمر من لم یکن مسلماً من جزیرۃ العرب بھذا الحدیث۔** فتح القدیر میں ہے۔ **قال ابن شہاب فتفحص عمر ذالک حتی اتاہ الیقین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب فاجلی یہود خیبر واجلی یہود نجران وفدک** یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار تاجروں کو بھی مدینہ

منورہ میں تین دن سے زائد ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ اسی مؤطا میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ **ان عمر ضرب للنصاریٰ والیهود والمجوس بالمدینة اقامة ثلث لیال لیقیمون ویقضون حوائجهم ولم یکن احد منهم یقیم بعد ذالک** درمختار میں ہے **ویمنعن من استیطان مکة والمدینة لا فهما من ارض العرب قال علیه الصلوة والسلام لا یجتمع فی العرب دینان ولو دخل للتجارة جاز ولا یطیل۔** ردالمحتار میں ہے۔ **افادان الحکم غیر مقصود علی مکة والمدینة بل جزیرة العرب کلها کذالک۔** بحرالرائق میں ہے۔ **وفی ارض العرب یمنون من ذالک فی امصارها وقرائها القوله علیه السلام لا تجتمع دینان فی جزیرة العرب وشمل کلامه المواضع کلها۔** اسی بحر میں ہے۔ **وفی التتار خانیة یمکنون من المقام فی دار الاسلام۔** وبہ روایت عامتہ الکتب۔ **الا ان یکون من امصار العرب وارض الحجاز۔**

ان احادیث صحیحہ و عمل صحابہ کرام و عبادت فقہائے کرام سے کالشمس والامس یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ملک عرب کو کفار و مشرکین سے محفوظ رکھنا شرعاً" بہت ضروری ہے۔ اگر وہاں پہلے سے آباد ہوں تو ان کو نکالنا مسلمانوں پر واجب ہے چہ جائیکہ ان کے پہنچنے کے اسباب کو تقویت دینا اور اس کا ذریعہ بننا۔ اب چونکہ سندھیا کمپنی کے جہازات سے حاجیوں کو سفر کرنے میں وہ زبردست خطرات موجود ہیں۔ جو مستفتی نے بیان کئے۔ اس لئے مسلمانوں کو کسی طرح درست نہیں کہ اس میں سفر کر کے اس کمپنی کو تقویت دیں۔ اور مشرکین کو عرب میں قدم جمانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے جال پھیلانے میں مدد و معاون ثابت ہوں۔ جب کہ ہم اپنی ذاتی جائیداد و املاک کو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہر کوشش عمل میں لاتے ہیں۔ تو حجاز مقدس کی زمین پاک کی حفاظت اور اس کو خطرات سے بچانا نبی اکرم ﷺ کے حکم

کی تعمیل کے لئے ہمارے ذمہ اہم فرائض میں سے ہے اس میں کوتاہی کرنا۔ اور تغافل برتنا نہ کسی طرح جائز ہو سکتا ہے۔ نہ قرین عقل و دانش ہے۔

سندھیا کمپنی کے جہازات سے یا جس سے یہ خطرات ہوں سفر قطعاً" ترک کر دینا چاہیے۔ اگرچہ اس میں بہ نسبت اور جہازوں کے زیادہ آسائش بھی ہو۔ کیونکہ اپنی آسائش کی غرض سے سرزمین مقدس کے لئے خطرات کو گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مسلمانوں نے سندھیا کمپنی کے جہازات میں سفر ترک نہ کیا اور اس کو طاقت پہنچاتے رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انہوں نے خود سرزمین پاک میں ہندوؤں کے قدم جمائے اور انہیں تبلیغ کفر و تخریب بقعہ پاک پر مدد دی۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

ان حالات میں مناسب تو یہ ہے کہ مسلمان اپنی جہاز کمپنی قائم کر کے اس میں سفر کریں۔ کہ اس عمل سے خطرات سے بھی امن ہو گا اور ایک مفید تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے گی۔ جس وقت تک اپنی جہاز کمپنی تیار نہ ہو اس وقت تک مغل لائن سے سفر کریں تا کہ سندھیا کمپنی ناکام ہو اور ہندوؤں کے منصوبوں کو وجود میں آنے کا موقع نہ ملے۔ ماریسن کمپنی میں بھی اگرچہ غلبہ نصاریٰ کا ہے۔ اور مسلمانوں کے حصے بہ نسبت ان کے کم ہیں۔ لیکن یہ کمپنی مدت سے کام کر رہی ہے اور ایک زمانہ کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے تجارتی منافعوں کے علاوہ اس طرف نظر نہیں ڈالتی۔ جو ہندوؤں کا مطمح نظر ہے۔ اور خطرات اور اندیشہ سندھیا کمپنی سے ہیں۔ اس کے وجوہ ماریسن کمپنی سے نہیں پائے جاتے لہٰذا باقاعدہ **اذا ابتلیت بین بلیتین فلیختر اھونھما۔** بحالت موجودہ سفر حج ماریسن کمپنی میں کیا جائے اور مسلمانوں کو سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے سے بکوشش روکا جائے۔ **واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماب۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں گرمیوں کے موسم میں عام طور پر لوگ مساجد کی چھتوں پر چڑھ کر نماز پڑھتے ہیں اور جماعت ہوتی ہے۔ کیا مسجدواں کی چھت پر نماز کے لئے چڑھنا بلاکراہت جائز ہے؟ اور گرمی اس کے لئے عذر ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ اس مسئلہ میں ضد کرتے ہیں۔ اس لئے کتاب کا حوالہ مع عبارت تحریر فرمائیے۔ بینواتوجروا۔

الجواب

اگر مسجد کے بالائی حصہ پر عمارت نہ ہو اور چھت محض سقف مسجد ہو۔ تو اس پر بلاضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ زیرین حصہ مسجد میں گرمی ہونا عذر نہیں۔ ہاں اگر اس حصہ میں گنجائش نہ رہی اور آدمی زیادہ ہیں تو چڑھنا جائز ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں بحث تراویح میں ہے۔ **وکذا الوصلی علی سطح المسجد فی شدة الحرای یکرہ لقولہ تعالی قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون۔** کبیری میں میہ سے نقل کیا۔ **امام یصلی التراویح علی سطح المسجد اختلف فی کراھیتہ والاولی ان لا یصلی علیہ عند العذر فکیف بغیرہ** عالمگیری کتاب الکراہیت میں ہے۔ **الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحریکرہ ان یصلو فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ نلضرورة۔** در مختار میں ہے۔ **ثم رایت القھستانی نقل عن المنیة کراھة لصعودہ علی سطح المسجد ویلزمہ کراھة الصلوٰة ایضافوقہ۔** شامی کتاب الصلوة اداب المسجد۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ مسجد کی چھت پر چڑھنا اسی لئے مکروہ ہے کہ اس

میں مسجد کی بے ادبی ہے۔ ضرورت شدیدہ کے وقت **الضرورات تبیح المحظورات** کی بنا پر جائز ہو گا۔ گرمی سے بچنا راحت حاصل کرنا ہے۔ یہ وہ ضرورت نہیں۔ جس سے ایک ممنوع شے کو مباح کیا جا سکے۔ لہٰذا گرمی سے بچنے کے لئے چڑھنا ممنوع ہے۔ اور اگر چھت کی مرمت وغیرہ کرنا ہے یا کہ مسجد میں نماز کی جگہ بالکل نہ رہی۔ تو جائز ہے۔ کراہت اسی صورت میں ہے۔ جب کہ مسجد کی چھت پر کوئی عمارت نہ ہو۔ کیونکہ اب وہ جگہ محض چھت ہے۔ لہٰذا اس پر چھت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور بصورت دیگر وہ جگہ اوپر کی عمارت کا صحن وغیرہ ہے۔ اس لئے اس جگہ پر جانا محض چھت پر جانا نہیں بلکہ بالائی منزل کے صحن وغیرہ میں جانا ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔ اس لئے کہ از تحت الثریٰ تا سماء مسجد مسجد ہے در مختار **لانہ مسجد الی عنان لسماء**۔ اس کے باوجود مسجد کے نیچے تہہ خانہ مصالح مسجد کے لئے اور اوپر اس کے بالاخانہ یا امام کے رہنے کے وقت تعمیر مسجد مکان بنانا جائز ہے۔ بحر میں کتاب الوقف میں احکام المسجد میں ہے۔ **بخلاف ماذا کان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانہ یجوز**۔ اسی مقام پر ہے۔ **لوبنی بیتا علی سطح المسجد یسکن الامام فانہ لا یضر لکونہ مسجد الانہ من المصالح** اسی میں ہے **اذا بنی مسجد او بنی عرقہ وھو فی یدہ فلہ ذالک**۔ در مختار میں ہے۔ **واذا جعل تحتہ سردا بالمصالحہ جاز المسجد القدس**۔ اسی میں ہے۔ **لوبنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح**۔ رد المحتار میں ہے۔ **بخلاف ما اذا کان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد بنو کسرداب بیت المقدس**۔ تو اب اگر مطلقاً سطح مسجد پر چڑھنا ہر حال میں مکروہ ہو تو تہہ خانہ والی کے فرش پر آنا منع ہو گا۔ کہ یہ جگہ تہہ خانہ کی چھت ہے۔ اور امام کو اس رہنے کے مکان میں جانا منع ہو گا کہ یہ جگہ سقف مسجد ہے۔ حالانکہ یہ دونوں امور جائز۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد کی خالی چھت پر چڑھنا منع اور اگر اوپر عمارت ہو تو جائز۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۷۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے سسر سے بیوی کی رخصتی مانگی سسر نے کہا کہ دو مہینے کے بعد رخصتی ملے گی۔ رخصتی مانگنے والا نشہ میں تھا۔ ایک دوسرے شخص سے اس نے کہا کہ ہم نے جواب دے دیا۔ میری چیز دلوا دیجئے۔ اس کے بعد ہی پھر اس نے اپنے سسر سے کہا کہ میری چیز دے دیجئے۔ ہم نے طلاق دے دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک خط لکھا مجھ کو کہ ہم نے اپنی بیوی کو نشہ میں طلاق دے دیا ہے۔ اب ہم رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دریافت کرتے ہیں۔ کہ صورت مسئولہ میں طلاق ہوا یا نہیں۔ اگر ہوا تو رجوع ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر رجوع ہو سکتا ہے۔ تو اس کی کیا ترکیب ہے۔ مفصل لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں ایک طلاق واقع ہو گئی۔ کہ نشہ والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ **وفی التتار خانیہ طلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر والنبیذ وھو مذھب اصحابنا۔** اب اگر اس کی عورت پہلے اپنے شوہر کے پاس رہ چکی ہے تو طلاق رجعی واقع ہوئی کہ عدت کے اندر اندر اگر چاہے بغیر دوبارہ نکاح کئے ہوئے رجوع کر سکتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ **ان الصریح نوعان صریح رجعی صریح بائن فالاول ان یکون بحرف الطلاق بعد الدخول۔** رجوع کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ منہ سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا اپنی بیوی سے اور بہتر یہ ہے کہ اس پر گواہ بنائے اور بی بی کو خبر بھیج دے۔ در مختار میں ہے۔ **ھی استدامة**

الملک فی العدۃ بنحو را جعتک ورددتک الی ان قال دندب اعلامها وندب الاشهاد بعدلین۔ ردالمحتار میں ہے۔ فالسنی ان یراجعها بالقول ویشهد علی راجعتها ویعلمها۔ لیکن اگر وہ بی بی اس شوہر کے بالکل نہیں آئی۔ صرف نکاح ہی ہوا ہے یا آئی تھی مگر طلاق دیئے ہوئے بہت دن ہو گئے کہ عورت کی عدت گزر گئی۔ تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگر عورت اس مرد کے پاس آ چکی ہے اور طلاق کو دیئے ہوئے اتنا عرصہ نہیں گزرا کہ جس میں عدت گزر جائے تو رجوع کر سکتا ہے رجوع کے لئے اتنا منہ سے کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اپنی اس بیوی سے رجوع کیا واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

(۱) عشرہ محرم میں تعزیہ داری جو کہ ہندوستان میں رائج ہے۔ جس میں ضریح و علم و ماتم و نوحہ وغیرہ ہوتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) شریعت مطہرہ نے عشرہ محرم کس طرح گزارنے کا حکم دیا ہے؟

(۳) کیا شوکت اسلام کے لئے تعزیہ داری جائز ہے؟

(۴) اس کی اصلیت کیا ہے اور ابتداء کیونکر اس ملک میں ہوئی؟

الجواب

فی زمانہ موجہ تعزیہ داری بہت سے محرمات اور خرافات پر مشتمل ہے اس لئے یہ

مروجہ تعزیہ داری ناجائز ہے۔

(۱) اکثر تعزیوں میں جاندار براق اور پری وغیرہ کی تصاویر ہوتی ہیں اور تصویر بنانا اور تصویر کو حرمت و احترام سے رکھنا دونوں ناجائز ہیں۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی۔ **سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسا فیعذبہ فی جھنم۔** انہی بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمایا۔ **ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیو اما خلقتم۔** انہی بخاری و مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ **اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔** سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ **فان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر وما لا روح فیہ** ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تصویر سازی سخت حرام اور باعث عذاب الٰہی ہے۔ نیز بخاری و مسلم میں سیدنا ابو طلحہ سے روایت کیا۔ **قال النبی صل اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر۔** نیز سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصاویر الا نقضہ** ان روایات سے معلوم ہوا کہ تصویر رکھنا (شوقیہ یا بعزت و احترام) منع ہے۔

(۲) بہت پیسہ خرچ کر کے تعزیہ بنایا جاتا ہے۔ پھر اس کو توڑ پھوڑ کر دفن کر دیا جاتا ہے جو مال کا ضائع کرنا ہے اور اسراف ہے جو حرام ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ **ان اللہ لا یحب المسرفین۔** دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ **ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطن لربہ کفورا○ وقال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قیل وقال امراً وکثرۃ السوال واضاعۃ المال۔**

(۳) بہت سی جگہ تعزیہ کے ساتھ سینہ کوبی اور نوحہ ہوتے ہیں جو سخت غضب الٰہی کا باعث اور بد ترین جرم ہے۔ ابوداؤد میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا۔ **لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ۔** یعنی حضور ﷺ نے نوحہ کرنے والوں اور نوحہ کو (بہ رضا) سننے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسلم و بخاری نے روایت کی۔ **لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیۃ۔** ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ **نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان تتبع جنازۃ معھا رانۃ۔** نیز نوحہ اور دیگر طریقہ سے اظہار بے صبری کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے۔ **یایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللّٰہ مع الصابرین** ○ نیز فرماتا ہے۔ **بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا ان اللّٰہ وانا الیہ راجعون** ○ قرآن پاک تو مصیبت کے وقت صبر اور نماز کا حکم دے اور ہم بے صبری کا اظہار کریں۔

(۴) تعزیہ کے ساتھ باجے گانے ہوتے ہیں۔ اور باجہ بجز چند موقعوں کے دوسری جگہ حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ **مع کل مزمار شیطن** نیز درمختار میں ہے۔ **استماع صوت الملاھی کضرب القصب ونحوہ حرام لقولہ علیہ السلام استماع الملاھی معصیۃ والجلوس علیھا فسق وتلذ ذبھا کفرای بالنعمۃ** سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں **صوت اللھو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات۔** یعنی گانے باجے کی آواز دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔

(نوٹ) اگر غور کیا جائے تو تعزیہ مروجہ یزیدیوں کے فعل کی نقل اور ایک طرح کی اظہار خوشی ہے۔ اس لئے کہ یزیدیوں نے سید الشہداء شہید کربلا رضی اللہ عنہ وغیرہ کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر شہر بہ شہر پھرایا۔ اسکی نقل یہ اتاری گئی کہ علم بنا کر اس کو گشت کرایا گیا۔ یزیدیوں نے اس اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں کھیل و کود اور دیگر خرافات کام کئے۔ ان جہلاء یا بے دینوں نے ماتم کے نام سے اچھل کود کر ان کی نقل اتاری۔ غرضیکہ

یہ طریقہ اظہار غم کا عقلاً" و نقلاً" کسی طرح درست نہیں۔ حقیقت میں اگر یہ اظہار غم کا طریقہ ہوتا۔ تو ہم سے زیادہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر پسماندگان اہل بیت کو صدمہ و غم ہوا۔ ان سے ضرور منقول ہوتا۔ حالانکہ کہیں ثابت نہیں۔ کہ ان حضرات نے کسی طرح کھیل کود اور باجے بجا کر شہروں میں گشت کیا ہو۔ بہر حال یہ فعل یزید کی نقل ہے۔ نہ کہ فعل سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ روافض جو کہ حقیقت میں قاتلین سیدنا امام حسین علیہ السلام ہیں۔ اور یزیدیوں کی یادگار اگرچہ تقیہ کر کے اپنے کو محب اہل بیت کہتے ہوں۔ وہ فتح یزید کی خوشی میں ان افعال شنیعہ کے مرتکب ہوں تو ہوں۔ ایک سنی غلام اہل بیت و صحابہ کرام کس طرح ان افعال کا مرتکب ہو کر یزیدیوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

(۲) عشرہ محرم میں عبادات کی کثرت کریں۔ خدا تعالیٰ توفیق دے تو پورے دس دن نہیں تو کم از کم نویں و دسویں کو روزہ رکھیں۔ اس زمانہ میں ذکر سید الشہداء کی مجالس منعقد کر کے صحیح روایات واقعہ کربلا پڑھیں کہ صالحین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ بکثرت سبیلیں لگائیں۔ کھچڑا ملیدہ وغیرہ بنا کر حضرت سید الشہداء کی جناب میں ایصال ثواب کریں۔ کثرت سے صدقہ و خیرات کر کے ان کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچائیں۔

(۳) دور حاضر میں مصلحت یہ ہے کہ تعزیہ داری سے مذکورہ بالا محرمات اور افعال شنیعہ کو نکال دیا جائے۔ اور اصل جلوس باقی رکھا جائے۔ کیونکہ اس اجتماع سے خصوصاً بنوٹ وغیرہ دیگر ہنر کے اظہار سے کفار کے قلوب پر مسلمانوں کی ہیبت اور اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر تعزیہ داری میں سے وہ امور جو اوپر مذکور ہوئے۔ نکال دیئے جائیں اور صرف روضہ پاک کا نقشہ بنایا جائے تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرمان سے ثابت ہوا۔ بلکہ اس کا رکھنا باعث برکت ہے۔

(۴) ایک تاریخی سوال ہے۔ جس کا تعلق فتویٰ سے نہیں۔ مشہور یہ ہے کہ تیمور لنگ کے زمانے سے اس کی ابتداء ہوئی۔

فتویٰ نمبر ۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ خدا فرما چکا قرآن کے اندر میرے محتاج ہیں پیرو پیغمبر۔ بکر نے روک دیا کہ کلمہ کفریہ ہے۔ عام مجلس میں سنانا گمراہ کرنا ہے۔ قرآن پاک میں محتاج کا لفظ پیرو پیغمبروں کے واسطے مخصوص کہیں نہیں ایا۔ بلکہ خطاب کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ محتاج کا لفظ نہایت گستاخانہ ہے۔ باقی ہر مخلوق خدا کی محتاج ہے۔

(۱) کیا زید اپنے عقیدہ اور قول میں سچا ہے؟ اور کوئی آیت قرآن پاک میں ہے؟ جس کا ترجمہ یہی ہو۔ میرے محتاج ہیں پیرو پیغمبر۔

(۲) کیا بکر اپنے قول و عقیدہ میں سچا ہے اور محتاج کا کلمہ کفریہ ہے؟ اور قرآن پاک میں کس آیت کے ترجمہ میں محتاج کا لفظ ہے۔ مدلل جواب عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔

از ردلی شریف ضلع بارہ بنکی

الجواب

زید بے قید اپنے قول میں کاذب محض ہے۔ قرآن کریم پر بہتان باندھا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ **من كذب علی متعمدا فليتبوا مقعده من النار۔** جو شخص کسی ایسی بات کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرے جو حضور نے نہ فرمائی ہو وہ جہنمی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ ہے۔ زید ایک غلط بات گھڑ کر

خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ نہ تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں جو زید کہتا ہے اس لئے کہ خاص پیرو پیغمبر کے ذکر کے ساتھ محتاج ہونا قرآن کریم میں مذکور نہیں اور نہ جس مقصد سے زید کہتا ہے۔ وہ مقصد قرآن سے حاصل۔ اس لئے کہ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے۔ کہ تمام مخلوق خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے خدا کے نیاز مند ہیں۔ کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں۔ اس مقصد کو آیت **انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید** میں بیان فرمایا گیا۔ یعنی شان بندگی میں تم سب کے سب خدا کے نیاز مند ہو۔ لیکن زید اس مقصد سے نہیں کہتا۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی خداداد قدرت و ملکیت و حاجت روائی خلق کا انکار کرے اور ان کو اپنی طرح کا محتاج اور مجبور محض بندہ بتائے اور ان سے مرادیں مانگنے کو روکے۔ جیسے اگلے شعر میں اس طرح کہتا ہے۔

وہ کیا شے ہے جو نہیں ملتی خدا سے۔۔ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

اور جیسے اس کے پیشوا اسماعیل نے تقویۃ الایمان میں کہا۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ ایک چیز کا بھی مالک و مختار نہیں۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ انبیاء کی اپنے بھائی کی سی عظمت کرے۔ یہ مضمون نہ قرآن میں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم تو انبیاء کرام کی عظمت اور خداداد قدرت اور ملکیت کے خطبے فرما رہا ہے۔ اور ہم کو بتا رہا ہے کہ تم سب انبیاء کرام کے محتاج ہو ان کی عظمت اور ان کو اپنا مثل نہ سمجھنے کو داخل فی الدین فرما دے رہا ہے۔ اس صورت میں اگر وہ ہماری طرح محتاج ہیں تو آیات قرانیہ میں تعارض ہو گا۔ اور ہم اور وہ مرتبہ میں برابر ہو جائیں گے۔ قرآن کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔ **وکان عند اللہ وجیھا**۔ حضور ﷺ کی شان میں فرماتا ہے۔ **اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ**۔ اللہ و رسول نے ان کو اپنے فضل سے مالدار کر دیا۔ معلوم ہوا کہ رسول ایسے غنی ہیں کہ اشارہ چشم میں لوگوں کو غنی فرما دیتے ہیں۔ فرماتا ہے۔ **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفرو**

اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ط جس سے معلوم ہوا کہ مجرم و گنہگار اپنی مغفرت میں حضور کے محتاج ہیں کہ شفاعت فرماویں تو گناہ معاف ہوں۔ غرضیکہ ہر طرح ثابت ہوتا ہے۔ کہ تمام عالم انبیاء کا محتاج ہے اور انبیاء تمام مخلوق کے محتاج الیہ۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ولسوف یعطیک ربک فترضی۔** آپ کا چہرہ انور کے آسمان کی طرف اٹھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا ہم آپکو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جسے آپ چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو مرضی محبوب ہوتی ہے۔ وہ امر الٰہی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ زید کا قول محض باطل اور توہین انبیاء پر مشتمل ہے اور بکر کا اعتراض نہایت حق اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فتویٰ نمبر ۸۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نماز کا پابند نہیں بلکہ نماز قضا کر دیتا ہے اور مقتدیوں کو معلوم نہیں۔ لیکن عمرو کے علم میں ہے۔ زید جمعہ کی نماز پڑھانے جایا کرتا ہے تو اس صورت میں عمرو مقتدیوں کو اس حالت سے مطلع کردے یا نہیں؟

(۲) زید کے ہاتھ پر چوٹ لگی ہے۔ جس سے کان تک ہاتھ نہیں پہنچتا تو زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

از مراد آباد

الجواب

جو شخص مذکور امام کے اس عیب سے واقف ہو۔ وہ ایسے شخص کو اپنا امام نہ بنائے کہ یہ شخص تارک صلوٰۃ فاسق ہے۔ اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔ در مختار میں ہے۔ **ویکرہ تنزیھا امامۃ عبد واعرابی وفاسق۔** لیکن جو لوگ کہ اس امام کے اس

عیب سے واقف نہ ہوں۔ ان پر اس کے فسق کو ہرگز ظاہر نہ کرے کہ یہ غیبت ہے اور مسلمان کی غیبت کرنا اور کسی مسلمان کے عیب ظاہر کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ **ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا** درمختار میں ہے۔ **وکما تکون الغیبۃ باللسان تکون بالفعل وکل مایفھم منہ المقصود فھو داخل فی الغیبۃ وھو حرام ملخصا** جو لوگ امام مذکور کے اس فسق سے واقف نہ ہوں۔ ان کی نماز بلاکراہت اس کے پیچھے جائز ہے۔ **لانہ لیس بفاسق معلن۔** ہاں اس فاسق امام کو خفیہ تنبیہ کرے کہ تم اس گناہ سے باز آؤ ورنہ تمہارے عیب ظاہر کردیئے جائیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اس خوف سے اپنے گناہ سے توبہ کرلے کہ یہ فاسق کو فسق سے روکنے کی ایک موثر تدبیر ہے۔ جس کا ہاتھ ٹوٹا ہوا ہو۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے اگر لوگ کراہت کرتے ہوں تو اس کو امام نہ بنانا چاہیے۔ اور اگر لوگ راضی ہوں تو اس کی امامت بلاکراہت جائز ہے۔ شامی میں ہے۔ **ومن لہ ید واحدۃ فتاوی الصوفیۃ عن التحفۃ والظاھر ان العلۃ النفرۃ واللہ تعالیٰ اعلم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مقامات میں پشت مسجد میں دروازہ کھول کر دروازہ کے سامنے چبوترہ بنا کر جنازہ چبوترہ پر رکھا جاتا ہے اور امام و مقتدی مسجد میں کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ آیا اس طریقہ پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو بلاکراہت یا بکراہت۔

از بچھراؤں (مراد آباد)

الجواب

مسجد جماعت میں بلامجبوری نماز جنازہ پڑھنا ہر طرح مکروہ ہے۔ خواہ جنازہ مسجد سے باہر ہو۔ اور کل یا بعض نمازی مسجد میں یا جنازہ مسجد میں ہو اور نمازی کل خواہ بعض مسجد سے باہر ہوں۔ یا جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں۔ بہر حال نماز جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ **وصلٰوۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیه الجماعة مکروهة سواء کان المیت والقوم فی المسجد اوکان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد اوکان الاعمام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد وهو المختار ولا تکره بعذر المطر ونحوها۔** درمختار میں ہے۔ **وکرهت فی مسجد جماعة هوای المیت فیه وحده او مع القوم واختلف فی الخارجپ عن المسجد وحده او مع بعض القوم والمختار الکراهة مطلقًا۔ واللّٰه اعلم بالصواب۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان سلطان جمعہ کی ادائیگی کے لئے ضروری شرائط میں سے ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ موجودہ زمانہ میں جب کہ مسلم سلطان یا اس کا نائب نہیں اور مصر کی تعریف میں بھی اختلاف ہے۔ جمعہ پڑھتے ہیں۔ وہ بعد جمعہ ظہر ادا کریں یا نہ۔ اور اگر ادا کریں۔ تو نیت مستحب سے ادا کریں۔ یا نیت واجب سے' اور اگر مستحب ہو۔ تو تمام لوگ ادا کریں یا خاص خاص۔

از لوریوالا (گوجرانوالہ)

الجواب

صحت جمعہ کے لئے سلطان اسلام وغیرہ کی موجودگی شرط نہیں۔ بلکہ کسی مسجد میں اگر جمعہ قائم کرنا ہو۔ تو اس کے لئے حاکم، والی مسلمان کی اجازت لینا ضروری ہے۔ خواہ وہ والی بادشاہ اسلام ہو۔ یا بادشاہ کا کوئی مقرر کردہ حاکم یا بصورت بادشاہ اسلام کے نہ ہونے کے مسلمان کسی کو والی مان لیں۔ در مختار میں۔ **والثانی السلطان او ماموره باقامتها۔** ردالمحتار میں ہے۔ **فلو کان الولاة کفارا یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین۔** بحر میں ہے۔ **ان اذن السلطان او نائبه انما هو شرط لا قامتها عند بناء المسجد ثم بعد ذالک لا یشترط الاذن بکل۔** عالمگیری میں ہے۔ **بلاد علیها ولاة کفارا یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین۔**

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اقامت جمعہ کے لئے اذان والی اسلام ضروری ہے۔ صحت جمعہ کے لئے والی اسلام کی موجودگی ضروری نہیں۔ لہٰذا فی زمانہ ہندوستان میں نماز جمعہ جائز ہے۔ مگر اس کا خیال رہے کہ جب کسی مسجد میں جمعہ قائم کرنا ہو تو وہاں کے کسی ایسے عالم سے اجازت حاصل کرلیں۔ جس کو مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہوں۔ آج کل جو رواج ہو گیا ہے کہ مسجدیں اور ان میں بلااجازت جمعہ شروع کر دیا۔ بالکل خلاف شرع ہے۔ بزازیہ میں ہے۔ **ولو اجتمع العامة علی تقدیم رجل لم یامره القاضی ولا خلیفة المیت لم یجزو لم یکن جمعة وان لم یکن ثم قاضی ولا خلیفة المیت فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جاز لمکان الضرورة۔**

(۲) احتیاط اس میں ہے کہ فی زمانہ جہال کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا جائے۔ کہ اس سے فریضہ جمعہ میں شک کریں گے۔ اور فتنہ ہو گا۔ صرف اہل علم حضرات جن سے یہ اندیشہ نہیں وہ بعد نماز جمعہ چار رکعت بہ نیت ظہر پڑھ لیا کریں۔ بحر میں ہے۔ حتی

وقع انی افیت مرا رابعدم صلوٰتها خوفا علی اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة لیست بفرض۔ شامی میں ہے۔ **نعم ان ادی الی مفسدة لا تفعل جهارا والکلام عند عدمها والذا قال المقلسی نحن لانامر بذالک امثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة الیهم۔** اسی میں ہے۔ **فقد ثبت انه ینبغی الاتیان بهذا لا ربع بعد الجمعة۔**

(۴) اگر کسی جگہ شرائط جمعہ پائے جانے میں شک ہو۔ تو بہ نیت واجب یہ رکعتیں پڑھے اور اگر بلا دلیل صرف وہم ہی ہو۔ تو بہ نیت مستحب شامی میں ہے۔ **ذکر ابن السحنة عن جده التصریح بالندب ینبغی ان یکون عند مجرد التوهم اما عند قیام الشک والاشتباه فی صحة الجمعة فالظاهر الوجوب۔** بصور وجوب یہ چار رکعتیں سنت جمعہ کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ اور بصورت استجباب ہو جائے گی۔ ردالمحتار میں ہے۔ **وبه یعلم انها هل تجزی عن السنة ام لا فعتد قیام الشک لا وعند عدمه نعم۔** مصر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ وجوب جمعہ میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ تعریف مفتی بہ یہ ہے کہ جس جگہ کوچہ بازار ہوں اور ضروریات چیزیں ملتی ہوں اور وہاں کوئی مجسٹریٹ یا تحصیلدار حاکم رہتا ہو۔ وہ مصر ہے واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کلمہ کفر اور سجدہ بت کی وجہ سے مرتد ہو گیا تھا اور کچھ عرصہ تک اسی ارتداد پر قائم رہا۔ بعد برداری کی سختی اور سمجھانے پر بتوں کو پوجنے سے توبہ کی اور مسلمان ہو گیا۔ اب مسلمان ہونے پر وہ شخص اپنی بیوی کو جس نے اس کے مرتد ہو جانے پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ زبردستی

لانا چاہتا ہے۔ تو کیا وہ شخص عند الشرع اس عورت کو زبردستی اپنے مکان پر واپس لا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ عورت اب اس کے مکان پر جانے سے قطعی انکار کرتی ہے۔ اور کیا ایسی صورت میں وہ عورت جو عاقلہ بالغہ ہے اپنے اختیار سے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ مہربانی فرما کر جواب شرح اور واضح بحوالہ کتب احادیث و فقہ عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ فقط۔

الجواب

صورت مسئولہ میں شخص مذکورہ کا نکاح اس کے مرتد ہوتے ہی ختم ہو گیا۔ اب اس کی بیوی بعد عدت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ شخص مذکورہ اسلام لانے پر عورت مذکورہ کو اپنے سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور بغیر اذن عورت اس سے نکاح درست نہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔ **وارتداد احدهما فسخ فی الحال یعنی لا یتوقف علی مضی ثلثة قروء فی المدخول بها ولا علی قضاء القاضی۔** عالمگیری میں ہے۔ **ارتداد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول بعده** در مختار میں ہے۔ **وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء۔ واللہ اعلم بالصواب۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:۔

نمبر ا کہ ہندہ سیدہ کا عقد اس کے والد خالد نے لاعلمی کی وجہ سے زید دیوبندی سے کر دیا۔ معلوم ہونے پر عقد فاسد ہے یا نہیں؟ مع ادلہ جواب مرحمت فرمائیں۔

نمبر۲ اگر دیوبندی سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر دے تو کیا جواب دے۔

ازمدرسہ سبحانیہ مراد آباد

(ب) دیوبندی کو سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟ مع ادلہ جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے یا توہین کرنے والوں کو ان کی توہین پر مطلع ہو کر مسلمان جاننے والے دیوبندی مرتد ہیں۔ درمختار میں ہے۔ **والکافر یسب نبیا من الانبیاء الی ان قال ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔** عالمگیری میں ہے۔ محمد درویشک بود او قال جامہ پیغمبر ر۔ یمناک بود **اوقال طویل الظفر فقد قیل یکفر مطلقا وقد قیل یکفر اذا قال علی وجہ الاھانۃ۔** اور مرتد کا نکاح عالم میں کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ اپنے مثل مرتد سے لہٰذا وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ عالمگیری میں احکام المرتدین میں ہے۔ **ومنھا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوزلہ ان یتزوج امراۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ۔** درمختار میں ہے۔ **ویبطل منہ اتفاقا النکاح والذبیحۃ** الخ

(۲) کفار کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں' اور اگر جواب دے تو **وعلیک** کہہ دے۔ اس سے زیادہ نہ کرے درمختار میں ہے۔ **ولوسلم یھود او نصاریٰ او مجوس علی مسلم فلا باس بالرد ولکن لا یزید علی قولہ وعلیکم۔** یہ تو کافر اصلی کا حکم ہے۔ وہابیہ مرتدین کے احکام بہت سخت ہیں۔ ان کو بلا ضرورت جواب سلام دینا جائز نہیں اور ضرورت درپیش ہو۔ تو وعلیک کہا جائے۔ اسی طرح کفار کو سلام بلاضرورت جائز نہیں۔ اگر ضرورت درپیش ہو تو **السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ** کہہ دے۔ درمختار میں ہے۔ **ویسلم المسلم علی اھل الذمۃ لولہ حاجۃ الیہ**

والاکرم۔ شامی میں ہے **اذا اسلم علی اهل الذمة فلیقل السلام علی من اتبع الهدیٰ وکذالک یکتب الیهم۔** بلاضرورت انہیں سلام ناجائز اور تعظیماً "سلام کرنا سخت جرم ہے۔ **معاذ اللہ کما فی الدرا المختار والهندیة واللہ اعلم بالصواب۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔

(۱) کہ ایک شادی ہونے والی ہے جس میں لڑکے والا باجہ وغیرہ کو منع کرتا ہے۔ اور بیٹی والا بغیر باجہ کے شادی نہیں کرتا۔ تو بتاؤ کیا ہونا چاہیے۔ نقاہ یا دف بجانا جائز ہے یا نہیں؟ یا نعت خوانی سے گشت۔

(۲) دولہا کے سر گنگنا یا مہندی لگانا۔ دولہا کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا کوئی نقصان تو نہیں ہے۔ یا برات سدے ایک دن پہلے جو مردوں کی فاتحہ ہوتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں یا حضرت بی بی کی فاتحہ جس کو کونڈا بولتے ہیں ناجائز ہے یا نہیں۔ یا عورتیں شادی سے پہلے ڈھول بجاتی اور گاتی ہیں۔ اس کی بجائے نقاہ بجانا کوئی نقصان تو نہیں؟ یا رات کو عورتوں کا گانے کے بجائے میلاد کرانا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) جو رسمیں سسرال میں دولہا کے ساتھ برتی جاتی ہیں۔ اس کا گناہ کس پر ہو گا۔ اور چوتھی چالا یا سہاگ بیرا دولہا سے کھلوانا یا چوتھی کھیلی جاتی ہے۔ اس کا کچھ وبال ہے یا نہیں؟ یا پہلی شب کو دولہا دولہن کو الگ سلاتے ہیں۔ یہ بری بے حیائی کی بات ہے۔ اگر دولہا شرم کی وجہ سے اس رات کو نہ سوئے تو دولہن کی طرف سے گناہ تو نہیں؟

(۴) یہاں وہابیوں سے جھگڑا ہو رہا ہے۔ تعزیہ داری کے معاملہ میں اشتہار بھی عشرہ کے بارے میں لگاتے ہیں۔ اور اس میں سنی وہابی مولویوں کے نام بھی ہیں اور تعزیہ

داری حرام، کھچڑا حرام، شربت کرنا حرام، ڈھول بجانا حرام، ماتم کرنا حرام، مہندی لگانا، تعزیہ پر فاتحہ دلانا حرام۔ تو یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔ فقط

از مراد آباد

الجواب

(ا) اعلان نکاح کے لئے وقت نکاح دف و نقارہ وغیرہ کوٹنا پیٹنا جائز ہے۔ بشرطیکہ لہو لعب سے خالی ہو۔ امام احمد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے محمد ابن حاجب جمحی سے روایت کی۔ **عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فصل مابین الحلال والحرام الصوت والدف۔** نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوھا فی المسجد واضربوا علیہ بالدفوف۔** نیز ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلنوا ھذا النکاح واجعلوھا فی العرس یشتھر۔** نیز اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ **ضرب الدف فی العرس مختلف فیہ وکذا اختلفوا فی الغناء فی العرس والولیمۃ فمنھم من قال بعدم کراھۃ بضرب الدف کذا فی بحر الرائق۔** غرضیکہ بکثرت احادیث و تصریحات فقہاء سے اعلان نکاح کے لئے دف پیٹنا جائز ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس شرط سے کہ اس سے لہو لعب مقصود نہ ہو۔ صرف اعلان نکاح کا مقصد ہو۔ لہٰذا شرط یہ ہے کہ دف جھانج سے خالی ہو اور اس کو باقاعدہ گت کے ساتھ نہ بجایا جائے۔ صرف لکڑی وغیرہ سے بلا لحاظ گت پیٹ دیا جائے۔ عالمگیری کتاب الکراہتہ میں ہے۔ **وسئل ابو یوسف عن الدف اتکرہ فی غیر العرس بان تضرب المراۃ فی غیر فسق للصبی قال لاکرہ واما الذی یجئی منہ اللعب الفاحش للغناء فانی اکرھہ۔** ردالمحتار میں ہے۔ **لا باس بالدف فی العرس تشتھرو فی**

السراجية هذا اذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب علٰى هيئة اضطراب . بحر کتاب النکاح میں ہے۔ وفى الذخيرة ضرب الدف فى العرس مختلف فيه و محله مالا جلاجل له اماما له جلاجل فمكروه۔ مرقات شرح مشکوۃ میں حدیث يضرب بن بالدف کے ماتحت میں ہے۔ وكان دفهن غير مصحوب جلاجل فيه دليل علٰى جواز ضرب الدف عند النكاح والزفاف للاعلان اماما فيه جلاجل فينبغى ان يكون مكروها بالاتفاق۔ اسی لئے باجوں کی حرمت بیان فرماتے وقت فقہا مزامیر یا ملاہی فرماتے ہیں۔ در مختار میں ہے۔ استماع صوت الملاهى حرام۔ اسی میں ہے۔ استماع الملاهى معصية والجلوس عليها فسق۔ اور اس موقعہ پر ضرب دف کا اطلاق نہیں فرماتے۔ جس سے معلوم ہوتا کہ گت کے ساتھ دف بجانا لہو کی نیت سے ملاہی میں داخل ہو کر حرام ہے اور بغیر گت اعلان کے لئے دف وغیرہ پیٹنا جائز ہے۔ اسی طریقہ سے احادیث مخالفت مزامیر اور اعلان بلدف وغیرہ کے جائز ہونے میں تطبیق کی جاوے گی۔ ردالمحتار میں ہے۔ وهذا يفيدان الة اللهو ليست محرمة لنفسها بل يقصد اللهو منها الاترى ان ضرب تلك الالة بعينها حل تارة وحرم اخرى باختلاف النية والامور بمقا صدها۔ شادی بیاہ عید وغیرہ خوشی کے موقعوں پر اگر بچیاں یا لونڈیاں دف بجائیں اور مباح گیت گائیں تو مضائقہ نہیں۔ کہ احادیث صحیحہ میں بچیوں کا دف بجانا عید اور سرور نکاح میں ثابت ہے۔ ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی شادی کا بیان فرماتے ہوئے فرماتی ہیں۔ فجعلت جويريات يضربن بالدف ويند بن من قتل بابائى مرقات میں اس کے ماتحت ہے۔ قوله جويريات قيل تلك البنات لم تكن بالغات حد الشهوة ۔بحر میں ہے۔ لا باس يضرب فى العروس وفى الذخيرة لا باس بالغناء فى الاعياد۔ لیکن یہ دف اور گیت مردوں اور شریف بالغہ عورتوں کو ممنوع ہے۔ ردالمحتار کتاب الشہادات میں ہے۔ جواز ضرب الدف منه خاص بالنساء

لما فی البحر عن المعراج بعد ما ذکرانہ مباح فی النکاح وما فی معناہ من حادث سرور قال وھو مکروہ للرجال علی کل حلال لتشبہ بالنساء اسی طرح بیاہ شادی کے موقعوں پر بطریقہ مروجہ عورتیں گاتی بجاتی ہیں۔ یہ رسم سخت حرام اور بہت سے محرمات پر مشتمل ہے۔ عورتوں کی آواز اجنبی مرد سنیں۔ یہ حرام جس پر احادیث کثیرہ و اقوال فقہاء شاہد ہیں۔ دوم جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں شہوت انگیز مضمون اور نیز بے حیائی کے اشعار ہوتے ہیں۔ لڑکی والے کے کہنے سے باجہ وغیرہ دیگر محرمات کا ارتکاب نہ کرے۔ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض نہ کرے۔ در مختار میں ہے **لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق**۔ اس کو سمجھادے سمجھ جائے تو خیر ورنہ خداوند قدوس اس سے بہتر لڑکی عطا فرمائے گا۔ بلکہ حالت زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ ہے۔ کہ اب گانا بجانا بہر حال ناجائز ہے۔ بچیوں کو اجازت نہیں کیونکہ اگر بچیوں کو اجازت دی جائے تو بالغہ عورتیں بھی بچیوں کا نام کرکے گائیں گی۔

(۲) پھولوں کا سہرہ باندھنا جائز ہے۔ یہ خوشبو کا استعمال ہے اور خوشبو حضور ﷺ کو بہت مرغوب تھی۔ فرماتے ہیں۔ **حبب الی من دیناکم النساء والطیب**۔ سہرے میں صرف پھولوں کو ڈورے میں ڈال لیا گیا ہے تا کہ ہاتھ نہ گھیر لے اور ہاتھ میں رہنے سے پھول مرجھا نہ جائیں۔ ہاں نوشہ کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا گنگنا باندھنا یا سنہری لڑیوں والا سہرا باندھنا منع ہے۔ کہ گنگنا اور نلکی والا سہرا اشعار کفار ہے اس میں ان سے مشابہت ہے اور مہندی لگانا عورتوں سے مشابہت ہے اور دونوں ممنوع فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ **من تشبہ بقوم فھو منھم رواہ احمد وابوداؤد عن ابن عمر** اسکے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔ **ان شبہ نفسہ بالکفار فی اللباس وغیرہ اوبالفساق والفجار قالص الطیبی ھذا عام فی الخلق والخلق قلت بل الشعار ھو المراد بالتشبہ لاغیر**۔ ردالمحتار میں ہے۔ **وخضاب شعر لحیۃ لا یدیہ ورجلیہ فانہ مکروہ للتشبہ بالنساء**۔

(۳) چوتھی وغیرہ دیگر رسوم مروجہ بہت سے حرام کاموں پر مشتمل ہے۔ یہ رسم ادا کرنے والیاں نوشہ اور تمام شرکا جو اس سے راضی ہوں اور جو اس کے روکنے پر قادر ہو کر باقاعدہ نہ روکیں وہ سب گنہگار ہیں کہ بقدر طاقت امر بالمعروف واجب ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر۔** سرکار فرماتے ہیں۔ **من رای منکم منکر فلیغیر بیده فان لم یستطع فبلسانه فمن لم یستطع فبقلبه وذالک اضعف الایمان۔** جس شخص کو خبر ہو کہ وہاں یہ رسوم ہوں گی۔ وہاں شرکت نہ کرے اور وہاں پہنچنے کے بعد یہ خرافات شرع ہوں تو وہاں سے اٹھ آوے قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔** درمختار میں ہے۔ **فلو علی المائدة لا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا** اسی میں ہے **فان قدر علی المنع فعل وان لم یقدر خرج ولم یقعد لان فیه شین الدین ملخصاً۔**

(۴) دولہا دولہن کو علیحدہ جگہ دینا اگر لغویات اور مراسم بیہودہ سے خالی ہو تو جائز ہے کہ احادیث سے ثابت ہے درمختار میں ہے۔ **وهل یکره الزفاف المختار لا اذا لم یشتمل علی مفسدة دینية** ردالمحتار میں ہے۔ **الزفاف اهداء المراة ههنا اجتماع النساء کذلک فانه لازم له عرفاً۔** اسی میں ہے۔ **مستد لابمار واه عن عائشة قالت رفعنا امراة من الانصار** الخ ردالمحتار شروع کتاب النکاح میں ہے۔ **واختلفو فی کراهية الزفاف و المختارانه لا یکره الا اذا اشتمل علی مفسدة دینية۔**

(۵) مروجہ تعزیہ داری جو باجا ماتم فضول خرچی تصاویر جاندار پر مشتمل ہے ناجائز ہے۔ فی زمانہ بہتر یہ ہے کہ ان محرمات کو اس میں سے نکال دیا جائے۔ اور نفس جلوس باقی رکھا جائے۔ کہ اس سے مشرکین پر رعب طاری ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں بنوٹ وغیرہ کے اکھاڑے ضرور ہوں کہ یہ تیاری کا اظہار اور کفار کو مرغوب کرنے میں معاون

ہے۔ کھچڑا یا شربت پر فاتحہ کرنا سبیل لگانا بہت اچھی چیزیں ہیں۔ کہ اس میں صدقات و خیرات کا ایصال ثواب ہے۔ اور اسلام کے عقائد میں سے ہے کہ صدقات و عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کمافی شرح العقائد وغیرہ اس کا انکار دشمنی بزرگان دین پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنے خیال میں قریب آٹھ نو برس سے عیسائی مذہب کو اچھا خیال کرتی تھی۔ جب گھر والوں کو معلوم ہوا کہ یہ عیسائی مذہب پسند کرتی ہے اور عیسائی ہوا چاہتی ہے۔ تو انہوں نے میرا نکاح جبریہ ایک بدمعاش کے ساتھ کر دیا' اور مجھ کو گھر میں سے باہر کسی عزیز کے ہاں تک جانے نہ دیا۔ بھائی بھاوج نے ایک چاقو دکھا کر ایک کاپی پر دستخط کرائے جب میرا موقعہ ہوا تو میں بھی گر جا جا کر عیسائی ہو گئی۔ اب میں عیسائی ہوں۔ لہٰذا اب میرا نکاح جو کہ بھائی اور بھاوج وغیرہ نے پڑھایا تھا۔ وہ بحالت عیسائی باقی رہا یا نہیں؟ اب اس وقت میری عمر تقریباً ۲۲۔ ۲۳ برس کی ہے۔ بینوا توجروا۔

از قدسیہ بیگم میگواین عیسائی مراد آباد

الجواب

سائلہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔ اس کے ارتداد عیسائی ہو جانے سے نکاح نہیں اٹھا اور وہ آزاد نہیں ہوئی۔ اس کا یہ بیان کہ بھائی نے یہ جبر اس سے رضا حاصل کی تھی۔ یا نکاح حالت عیسائیت ہوا قطعاً معتبر نہیں۔ کیونکہ رسوم شادی سرا بند ھوانا' مہندی لگانا'

دلہن بننا' عروسی جوڑا پہننا' دولہا کے یہاں کے آئے کپڑے پہننا۔ اس کے یہاں کے زیور پہننا' رخصتی کے وقت ڈولے میں بیٹھنا۔ شوہر کے یہاں جانا' اس کے ساتھ خلوت اور تمکین یہ سب دلالت رضا ہیں۔ اور اس کے بیان کی مکذب عالمگیری میں ہے۔ **وكذا ان مكنت الزوج من نفسها بعد ما زوجها الولى فهو رضا وكذا لوطالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا**۔ اسی میں ہے **وكما يتحقق رضاها بالقول يتحقق بالدلالة كطلب منهرها ونفقتها وتمكينها من الوطوء**۔ درمختار میں ہے۔ **رضاهى يكون دلالة كما ذكره بقوله وما فى معناه فى فعل يدل على الرضا كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطوء ودخوله بها رضاها**۔ رخصتی کے وقت بالعموم مجمع ہوتا ہے۔ رشتہ دار موجود ہوتے ہیں۔ تمام مراسم کی ادا ان کے سامنے ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر ایک رسم کے وقت چھری چاقو اس کے سینہ پر رکھا گیا ہو اور قتل کی آمادگی کی گئی ہو۔ اگر رخصتی کے وقت رسوم میں سے کوئی رسم بھی بغیر جبر کے عمل میں آگئی۔ اس سے رضا ثابت ہے۔ پھر شوہر کے یہاں جانا رہنا خلوتیں تمکین اور آمد و رفت کا ہونا سب اس کی رضا کی تاکیدات ہیں۔ ان حالات میں رضاء کا انکار کرنا کذب محض ہے۔ اسی طرح وقت نکاح عیسائی ہونے کا بیان ابطال نکاح میں موثر نہیں۔ کفر کا یہ اقرار اس کو اپنے ماں باپ اور ہر مورث کے ترکہ سے تو محروم کردے گا لیکن نکاح پر اثر انداز نہ ہوگا۔ کیونکہ جس اقرار سے غیر کا ضرر ہوتا ہو وہ اقرار غیر کے حق میں معتبر نہیں درمختار میں ہے۔ **الاصل ان اقرار الانسان على نفسه حجة لا على غيره**۔ **كتاب الاقرار**۔ شامی میں ہے۔ **بخلاف ما اذا اقرت بالردة**۔ معلوم ہوا کہ ردت کے اقرار سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو عورت شوہر سے ناراض ہو۔ وہ ایک ایسی جھوٹی بات بنا کر نکاح سے باہر ہو جایا کرے۔ شریعت نے ان حیلہ سازیوں کا موقعہ نہیں دیا۔ اس طرح بعد نکاح گرجا میں جا کر عیسائی بننے سے بھی عورت نکاح سے باہر نہیں ہوئی کہ عورت کے ارتداد سے نکاح نہیں فسخ ہوتا۔ اسی طرح

باقی رہتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ وافتی مشائخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجراً۔ بحر الرائق میں ہے۔ و بعض مشائخ بلخ ومشائخ سمرقند افتوا بعدم الفرقة بردتها حسما لباب المعصية والحيلة للخلاص منه۔ قاضی خاں میں ہے۔ منكوحة ارتدت والعياذ بالله حكى عن ابى القاسم الصفار انها لا تقع الفرقة بينهما حتى لا تصل الى مقصودها انتهى والذين قالوا بالفرقة بارتدادها قالوا لا يجوز لها النكاح بزوج اخرىل تجبر على الاسلام وعلى تجديد النكاح بالزوج الاول وعلى القاضى تجديد نكاحها بزوجها الاول رضيت بذالك النكاح ام لا قال فى الدرالمختار تجبر على الاسلام وعلى تجديد النكاح زجرا الها وعليها الفتوىٰ۔ وقال فى الردالمحتار فلكل قاض ان يجدده بمهر يسير رضيت ام لا وتمنع من التزوج بغيره بعد اسلامها۔ وفى الخانية وفى الروايات الظاهرة تقع الفرقة وتجس المراة حتى تسلم ويجدد النكاح سد الهذا الباب عليها۔ بحرحال عورت اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور وہ اس کو اپنے پاس رہنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے نکاح سے نکلنے کے لئے ارتداد اختیار کرنا کیسی ناعاقبت اندیشی اور بدعقلی ہے۔ شوہر سے آزادی حاصل کرنے کے لئے شریعت کی بتائی ہوئی راہیں اختیار کی جاسکتی تھیں۔ لیکن کفر جیسی ملعون خبیث معیبت کو گوارا کرنا انتہا درجہ کی بدنصیبی ہے۔ یہ تمام اس صورت میں تھی۔ کہ لڑکی کی رخصت ہو چکی ہو۔ اگر رخصت نہ ہوئی ہو تو بھی نکاح ہو گیا۔ کہ بالاکراہ نکاح درست ہوتا ہے شامی کتاب الاکراہ میں ہے۔ وصح نكاحه وطلاقه۔ اسی شامی کتاب النکاح میں ہے۔ حقيقة الرضا غير مشروطة فى النكاح الصحة مع الاكراه والهزل۔ والله اعلم بالصواب۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں۔

(۱) بعض لوگ مالدار ہیں۔ غریبوں کو بازاری نرخ سے زیادہ قیمت پر غلہ دیتا ہے۔ مثلاً چاول وغیرہ کا بازاری نرخ ایک روپیہ کا سولہ سترہ سیر ہے۔ تو غریبوں کو روپیہ میں گیارہ بارہ سیر کے نرخ سے ادھار دیتے ہیں۔ اور قیمت اس ماہ اگہن و پوس میں لیتے ہیں۔ یا اس روپیہ کا فصل دھان کے وقت روپیہ کا چھ سات پسیری کے نرخ سے لیتے ہیں یا نہیں تو جو نرخ اس وقت بازار کا ہوتا ہے۔ اس نرخ سے لیتے ہیں۔ اس کو عرف میں لگانی کہتے ہیں۔ یہ لگانی غلہ چاول وغیرہ کی ماہ' اساڑھ و ساون میں ہوتی ہے اور ماہ اگہن و پوس میں صول پالی۔ از روئے شرع یہ لگانی یا فروخت کی حسب ذیل شرائط مذکورہ بالا جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جائے۔

(۲) روپیہ دینا اس شرط پر کہ فصل کے وقت میں فلاں غلہ اتنے من یا پسیری لیں گے۔ جائز ہے یا نہیں۔

(۳) اس ملک میں کوئی شخص پیسہ روپیہ آنہ دو آنہ یعنی خردا غلہ خریدنے والا ہوتا ہے جس کو یہاں غلہ بساہنے والا کہتے ہیں۔ اس کا سیر سیر مروجہ سے کچھ بڑا ہوتا ہے و نیز بازاری نرخ سے کچھ زائد غلہ خرید کرتا ہے۔ اب زید جو کہ تجارت کرتا ہے ان کا یہ دستور ہے کہ جو شخص غلہ لے کر سودا خرید کرنے آتا ہے تو غلہ کو وہی بساہنے والا سیر اور نرخ سے لیتے ہیں۔ اور اپنا سودا سیر مروجہ سے دیتے ہیں۔ یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

(۴) میوہ کو درخت پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ بائع بیع کرے اور مشتری میوہ کو فوراً توڑ ڈالے تو جائز ہے۔ یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی صورت جواز کی ہو۔ تو بحوالہ کتب احادیث و فقہ تحریر فرمایئے۔ اگر شرعاً" یہ بیع ناجائز ہے۔ تو اس میں گنہگار فقط بائع ہوگا۔ یا مشتری بائع دونوں۔ اس زمانہ میں آم و لیچی وغیرہ

اکثرت درخت پر فروخت ہوتا ہے جس کو ہر خاص و عام خرید کر کھاتے ہیں۔ یہ کھانا شرعاً" جائز ہے یا نہیں؟

(۵) فصل دھان و گیہوں وغیرہ جب تیار ہوتا ہے۔ تو اس کو مزدور لوگ کاٹتے ہیں۔ اور اپنی مزدوری کاٹی ہوئی شے میں سے ہی یعنی اپنے کاٹتے ہوئے شے کو فلاں حصہ قائم کر کے ایک حصہ اپنی مزدوی لیتے ہیں۔ یہ شرعاً" جائز ہے یا نہیں۔ بعض لوگ ناجائز کہتے ہیں۔ لٰہذا جواب بالصواب تحریر فرمایئے۔

(٦) تالاب کے اندر مچھلی فروخت کرنا کیسا ہے۔ اگر شرعاً" ناجائز ہے تو کوئی شرعی صورت جواز کی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۷) (سکہ نوٹ) کا ادھار فروخت کرنا مثلاً ایک نوٹ جو کہ پانچ روپیہ کا ہے۔ اس کو سات آٹھ روپیہ میں ادھار فروخت کرنا اور روپیہ دو تین ماہ کے بعد لینا شرعاً" جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر زید روپیہ کے عوض میں یہ بیع کرتا ہے اور بازار میں نرخ مشتری و بائع کو معلوم ہے تو جائز ہے۔ کہ جس نرخ پر بائع مشتری کی رضامندی ہو جائے۔ اس پر بیع جائز ہوتی ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔** ہاں ضروری ہے کہ بازاری نرخ بائع نے غلط نہ بتایا ہو۔ اور اگر غلہ کے عوض ادھار بیع ہے تو حرام کہ سود ہے **قال النبی صلی اللہ علیه وسلم والبر بالبروا الشعیر بالشعیر یدا بید من زا داو استزاد فقد ربی رواہ مسلم عن ابی سعید الخدری۔** در مختار میں ہے۔ **ان وجد احدھا حل النفص حرام النساء** رد المحتار باب الربو میں ہے۔ **وساء والموزونات غیر النقد لا یجوز ان تسلم فی الموزونات وان اختلف اجناسها کاسلام جدید فی دھن وزیت فی جبن۔** اور اگر بعوض روپیہ ادھار

فروخت کیا۔ پھر اس قرض روپیہ سے بطریق سلم اس غریب سے دھان وغیرہ خرید اتو بھی منع ہے۔ کہ سلم میں وقت عقد روپیہ دینا شرط ہے۔

درمختار میں ہے۔ **فان اسلم مائة درهم فی کر برمائة دينا عليه ای علی المسلم اليه ومائة نقد اوافترقافالسلم فی الدين باطل۔**

(۲) غلہ کی کٹوتی جس کو بیع سلم کہتے ہیں جائز ہے۔ مگر سولہ شرطوں سے جن کا مآل یہ ہے۔ کہ بروقت بیع عقد تام ہو اور قیمت فوراً عقد کے وقت ادا کی جائے۔ اور بیع میں کوئی جھگڑے کی بات باقی نہ رہ جائے۔ اسی لئے غلہ کا نام غلہ کی قسم کا نرخ غلہ کس جگہ لے گا۔ وصولی کا وقت سب مقرر ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ **واما الذی يرجع الی البدل فستة عشر ستة فی راس المال وعشر فی المسلم فيه۔**

(۳) اگر بائع کے علم میں یہ بات لائی گئی ہو کہ تجھ سے غلہ اس سیر سے خرید تا ہوں' اور اس کے عوض سودا اس سیر سے دیا جائے گا اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔ تو جائز ہے غرضیکہ اگر کسی قدر دھوکا دیا گیا ہے تو بیع درست نہ ہوئی اور اگر تمام باتیں صاف طور پر ظاہر کر دی گئی ہوں تو جائز قرآن کریم میں ہے۔ **الا ان تكون تجارة عن تراض منكم۔**

(۴) اگر اس شرط سے درخت کے پھل خریدے کہ پکنے کے وقت تک نہ توڑے گا۔ تو بہر حال بیع فاسد ہوئی۔ اگر یہ بیع بالشرط ہے۔ خوہ سب پھل آ گئے ہوں یا کچھ آ گئے' اور کچھ آنے والے ہیں۔ اور خواہ پھل پورے طور پر پڑ چکے ہوں یا ابھی چھوٹے ہوں۔ درمختار میں ہے۔ **وان شرط تركها علی الاشجار فسد البيع۔** عالمگیری میں ہے۔ **وان باع بشرط الترک لم يصح قياسا عند ابی حنيفة وابی يوسف۔** بحر الرائق میں ہے۔ **وان شرط تركها علی النخل فسدای البيع۔** اگر بیع پھل آ چکنے کے بعد تو بلا شرط کی تھی۔ مگر بعد بیع بائع کی اجازت سے کچھ روز پھل درخت پر رہنے دے تو مطلقاً جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ **ولواشتراها مطلقًا وتركها باذن**

البائع طاب له الفضل۔ در مختار میں ہے۔ **قید باشتراط الترک لانه لواشتراها مطلقًا وترکها باذن البائع طاب له الزیادۃ قال ردالمحتار هی مازادفی ذات البیع وحاصله ان المرادهھنا الزیادۃ المنصلة لا المنضمۃ۔** اگر اس حال میں خریدے ہوں کہ درختوں پر کچھ آئے ہیں۔ کچھ آنے والے ہیں۔ تو بیع ناجائز ہے کہ معدوم کی بیع کو شامل ہے۔ در مختار میں ہے۔ **برز بعضها دون بعض لایصح فی ظاهر المذهب۔** شامی میں ہے۔ **واطلاق المضف محمول علی ما اذا باع الموجود والمعدوم۔** ہمارے ملک میں آج کل جو بہار کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ فاسد ہے۔ بعض جگہ تو سالہا سال کی بہار خریدی جاتی ہے۔ اور بعض جگہ پھل آنے سے پیشر اور عادۃ" درختوں کا پھل پکنے تک اپنے استعمل میں رکھنا شرط بیع ہے۔ ان صورتوں میں بیع فاسد ہے کہ اولا" تو یہ بیع معدوم ہے۔ دوسرے بیع بالشرط۔ اس کی بحث ردالمحتار میں ہے۔ **المعروف عرفا کالمعروف نصا وههنا فساد البیع وعدم حل الزیادۃ۔** لہذا ضروری ہے کہ اس قسم کی بیع میں اول جواز کی صورتوں پر عمل کریں جو شریعت نے بتائی ہیں۔ ان میں سہل تر صورت یہی ہے کہ ہری کھیتی خریدی ہے تو خریدنے کے بعد زمین کو مدت معین تک کے لئے کرایہ پر لے لے۔ اور اگر باغ کی بہار خریدی ہے تو بعد بیع باغ کی خدمت نوکری کرے اور تھوڑے پھل مالک کو دے اور باقی پھل اپنی اجرت میں رکھے مثلاً بعد بیع یہ طے کرے کہ باغ کی بہار تیری ہے۔ میں اس کی حفاظت کروں گا پیداوار کا ہزارواں حصہ تیرا اور باقی تمام بحق خدمت میرا۔ تو وقت بیع موجودہ پھل کی تو یہ محنت ہوئی اور جو آئندہ پھل ہوں ان کے لئے معاملہ۔ در مختار میں ہے۔ **والحیلة ان یاخذ الشجرۃ معاملة علی احالة جزء من الف جزاء وان یشتری اصول الرطبة والبارنجان واشجار البطیخ ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومۃ۔** اور اگر پھلوں کو کسی نے بہ بیع فاسد خریدا۔ تو وہ بعد قبضہ اس کا مالک ہو گیا۔

احمد یار خان عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کرنے والا چرم قربانی فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیر مسجد میں لگائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قربانی والا قربانی کی کھال فروخت کردے۔ تو اس قیمت کا صدقہ دینا ضروری ہے اور صدقہ میں فقیر کا حصہ معتبر لہٰذا اس کھال کی قیمت مسجد میں خرچ نہیں کر سکتے۔ کہ اس صورت میں قبضہ کون کرے گا۔ عالمگیری کتاب الاضحیہ میں ہے۔ **ویتصدق بجلدھا اویعمل منھا نحو غربال۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۴۹

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ گاؤں میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں بعض لوگ گاؤں میں بھی جائز کہتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہے تو کیوں؟

الجواب

نماز جمعہ و عیدین کے لئے شہر یا فناء شہر شرط ہے۔ گاؤں یا جنگل میدان میں جائز نہیں۔ اس پر آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ صریحا" اور افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و

صحابہ کرام وال ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔** جس سے بطریق اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا۔ جس جگہ بازار ہو اور بیع و شرا ہوتی ہو ظاہر ہے کہ یہ شہر اور بڑے قصبے میں ہی ہوتی ہے۔ **لانہ لولم یتحقق البیع فکیف یترک فان ترک الشئی فرع وجودہ۔** تفسیر کبیر میں ہے۔ **لان البیع والشراء فی الاسواق غالبًا۔** عبدالرزاق اور ابن ابی شبیہ نے اپنے اپنے مصنف میں بروایت حارث قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقل کیا۔ **جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع** از عینی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۶۴ و از فتح القدیر۔ **قال فی فتح القدیر کفی بقول علی قدوۃ وامام۔** فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۲۶ میں حضرت ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمتہ نے روایت کیا۔ **عن حذیفۃ قال لیس علیٰ اهل القریٰ جمعۃ انما الجمعۃ علی اهل الامصار مثل المدائن۔** بخاری میں باب ہی باندھا ہے۔ کہ **باب من این تؤتی الجمعۃ وعلی من تجب وقال عطاء اذا کنت فی قریۃ جامعۃ نودی بالصلوۃ من یوم الجمعۃ فحق علیک ان یشهدها۔** اسی بخاری میں ہے۔ **عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون یوم الجمعۃ من منازلهم والعوالی۔** اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ سید عالم ﷺ میں اہل دیہات باری باری سے مدینہ منورہ جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا۔ تو مدینہ طیبہ آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اپنے اپنے گاؤں میں ادا کیا کرتے۔ اور اگر اہل دیہات پر جمعہ فرض ہوتا تو باری باری سے کیوں آتے۔ سب ہمیشہ ہی آیا کرتے۔ نیز حضور سید عالم ﷺ ہجرت کر کے قبا میں بروز دو شنبہ تشریف فرما ہوئے اور روایت بخاری دس دن سے زیادہ وہاں قیام فرمایا۔ مگر وہاں جمعہ ادا نہ فرمایا حالانکہ جمعہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا مگر ادا بعد ہجرت کیا گیا۔ کہ قبل ہجرت مکہ مکرمہ حکم نہ ہونے کی وجہ سے گاؤں کے حکم میں تھا۔ کہ مدینہ مطہرہ آکر نماز جمعہ ادا کیا کریں۔ ترمذی میں ہے۔ **عن ثویر عن رجل من اهل قبا عن ابیه وکان من اصحاب**

النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال امرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نشہد الجمعۃ من قباء۔ حجتہ الوداع بروز جمعہ ہوا۔ مگر میدان عرفات میں نہ تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھا نہ اہل مکہ کو حکم دیا۔ صحابہ کرام سے کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے فتوحات کرتے وقت گاؤں میں جمعہ قائم کیا ہو۔ فتح القدیر میں ہے۔ ولہذا لم ینقل عن الصحابۃ حین فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار۔ مؤطا امام مالک میں باب ہے۔ باب الاجمعۃ فی العوالی۔ و موطا امام محمد میں۔ صلوٰۃ العیدین وامر الخطبۃ میں ہے۔ عن ابن شہاب عن ابی عبید مولٰی ابن ازہر قال شہدت العید مع عثمان فصلی ثم انصرف وقال انہ قد اجتمع لکم فی یومکم ہذا عیدان فمن احب من اہل العالیۃ ان ینتظر الجمعۃ فلینتظرہا ومن احب ان یرجع فقد اذنت لہ۔ یعنی عثمان رضی اللہ عنہ نے عید کے دن دیہاتی لوگوں سے فرمایا کہ آج دو عیدیں جمعہ و عید جمع ہو گئی ہیں۔ عید تو پڑھ لی۔ جو جمعہ پڑھنا چاہے۔ وہ ٹھہرا رہے۔ جو نہ پڑھنا چاہے وہ گھر واپس جاوے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں۔

ان تمام دلائل سے کالشمس والامس ثابت ہوا کہ جمعہ گاؤں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ مخالفین کے پاس بجز دو کمزور دلائل کے اور کوئی دلیل نہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق عموم ثابت ہے۔ قرآنی عام کو ان اخبار احاد سے خاص نہیں کر سکتے۔ کما ہو مصرح فی الاصول۔ دوم یہ کہ احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرام نے قریٰ یعنی گاؤں میں جمعہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل مدینہ منورہ قریہ یعنی گاؤں تھا اور صحابہ نے جمعہ وہاں ادا کیا۔ اس طرح جواثا جو کہ گاؤں ہے۔ بحرین میں وہاں مسجد عبدالقیس میں صحابہ نے جمعہ ادا کیا۔ یہ دونوں دلائل بہت کمزور ہیں۔ اول تو اس لئے کہ قرآن میں جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں۔ تو وقت کی اور جنگل یا آبادی کی بھی قید نہیں۔ لہٰذا لازم آتا ہے۔ کہ نماز جمعہ بروز جمعہ ہر وقت کبھی فجر کے وقت کبھی دوپہر کو کبھی عصر

کبھی مغرب کے وقت جنگل اور آبادی ہر جگہ ہوا کرے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ عام مخصوص البعض ہے اور جب کسی قطعی عام میں ایک بار تخصیص قطعی دلیل سے ہو چکی۔ تو آئندہ دلائل ظنیہ سے بھی تخصیص جائز ہے۔ **کما ھو فی الاصول۔**

دوم یہ کہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے۔ **کما لا یخفی علیٰ اھل العلم** اور مجمل کی تفصیل ظنیات سے جائز ہے۔ جیسا کہ مسح راس میں ہوا۔ سوم محصص اول خبر احاد نہیں بلکہ عرفات میں حضور سید عالم ﷺ کا جمعہ ادا نہ کرنا ان تمام لوگوں نے دیکھا جو اس حجۃ الوداع میں شامل تھے اور وہ ایک لاکھ آدمی کے قریب۔ جب اتنے لوگ ایک فعل کو دیکھیں۔ تو وہ خبر احاد کیسی' چہارم 'ہم کہہ چکے کہ **وذروا البیع** میں اشارہ اس طرف ہے۔ کہ جمعہ شہر میں ہو۔ رہی دوسری دلیل' وہ اس لئے کمزور بلکہ باطل ہے کہ ان مقامات کا گاؤں ہونا ثابت نہیں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی عام طور پر ہوتا ہے۔ مکہ مکرمہ کو کہتے ہیں۔ ام القریٰ قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ **وقالوا لو لا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم** ○ اس میں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا اور اگر مان لیں کہ قریہ بمعنی گاؤں اس جگہ بولا گیا ہو تو کیا خبر کہ اس وقت گاؤں تھا۔ ممکن ہے کہ پہلے گاؤں رہا ہو اور بوقت نماز جمعہ شہر بن چکا ہو اس سے بھی چشم پوشی کرلیں تو کیا معلوم کہ خود سرکار ابد قرار ﷺ کے حکم سے یہ جمعہ ہوا۔ یا کہ صحابہ کرام کے اجتہاد سے۔ غرضیکہ یہ دلائل کمزور ہیں۔ اصح یہی ہے کہ گاؤں یا جنگل میں جمعہ جائز نہیں۔ **واللہ اعلم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

قبر میں نبی کریم ﷺ کی زیارت پاک کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کو نکیرین بوقت سوالات قبر روضہ مطہرہ کی زیارت کراتے ہیں یا شبیہ پاک کی یا خود سید عالم ﷺ وہاں موجود ہوتے ہیں اور جو اس کو بعید از عقل سمجھے اس کا کیا حکم ہے؟ نیز جو لوگ دفن نہیں کیے جاتے ان سے کس طرح سوالات ہوتے ہیں۔ جیسے کسی کو جلا دیا یا شیر کھا گیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان سوالات کے بارے میں جو روایت نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ **فیقولان ما کنت تقول فی هذا الرجل لمحمد** مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر یعنی نکیرین میت سے کہتے ہیں کہ تم ان صاحب کے بارے میں کیا کہتے تھے خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (رجل) کی تفسیر میں فرمایا **لمحمد** یعنی **هذا الرجل** سے اشارہ ذات کریم سید عالم ﷺ کی طرف ہوتا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ یعنی **هذا الرجل** کہ می گویند آنحضرت رامیخواہند۔ حدیث پاک کے الفاظ اور خود راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تفسیر سے ظاہر یہ ہی ہے۔ کہ خود سرکار ابد قرار ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں۔ نیز محدثین کرام بھی اسی معنیٰ کو زیادہ ارجح قرار دے کر اس کو مژدہ عظیم بتاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث اشعۃ اللمعات میں اسی باب اثبات عذاب القبر کی اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

"یا بہ احضار ذات شریف وے در حیاتی بایں طریق کہ در قبر مثالے از حضرت وے ﷺ حاضر ساختہ مے باشند" اسی پر اعتماد فرما کر اولہ عشق سے فرماتے ہیں۔ دریں

جانثار نیست سر مشتاقان غمزدہ را کہ اگر برامید ایں شادی جان دہندو زندہ در گور روند جائے آں وارد ہے
در ظلمت فراق تو گر جان دہم چہ غم - غم نیست گر زماہ رخصت پر توے فتد

صوفیائے کرام و عاشقان عظام بھی اسی بنا پر تمنائے موت کرتے پائے گئے ہیں۔
حاشیہ مشکوۃ میں ہے۔ **قیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشرٰی عظیمۃ** قسطلانی علی البخاری جلد ۳ ص ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔ **فقیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشرٰی عظیمۃ للمومن ان صح**۔ معلوم ہوا کہ ظاہر یہ ہے کہ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مشاہدہ میت کو ہوتا ہے۔ کہ اس کے سوا دیگر توجیہوں میں ہذا الرجل کی تاویل کرنی پڑے گی اور مجاز وغیرہ ماننا پڑے گا۔ اور اس توجیہ پر کوئی تاویل کی حاجت نہیں کہ رجل روح مع الجسم کو کہتے ہیں۔ جو شخص محض بعید از عقل ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرے وہ ابھی تک ایمانیات سے بے خبر ہے۔ عجائبات قدرت کی کس کس بات کو اپنی ناقص عقل سے معلوم کرے گا ماں کے پیٹ میں بچہ جب تیار ہوتا ہے۔ فرشتہ اسی جگہ تقدیر لکھ جاتا ہے۔ ماں کو خبر نہیں ہوتی اور ایک ہی فرشتہ ایک ہی وقت میں ہزارہا پیٹوں میں جاکر یہ کام کر آتا ہے۔ ایک ہی منکر نکیر ایک ہی وقت میں تمام دنیا کے مدفونین سے سوال کر لیتے ہیں۔ ایک سونے والا آنکھ لگتے ہی عالم کی سیر کر لیتا ہے۔ جب اٹھا جو جہاں تھا وہیں موجود۔ تو اگر میت کی قبر جیسے کہ جنت کی کھڑکی قبر میں کھلتی ہے۔ حجاب اٹھا کر اور اگر اس لئے کوئی شخص اس کا انکار کرے۔ کہ بعض محدثین نے اس کے علاوہ بھی قول کئے ہیں۔ وہ انہی کو اختیار کرتا ہے۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) عذاب قبر اور سوالات قبر میں جو لفظ قبر بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد خاص گڑھا (جس کو ہم قبر کہتے ہیں) نہیں ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے۔ جو دنیا کی زندگی اور قیامت کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ لہٰذا جو شخص اس قبر میں بھی نہ دفن کیا جاوے اس کا جسم

جس جگہ بھی ہو گا۔ وہاں ہی روح سے تعلق پیدا کر کے اس سے سوال و جواب اور اس کو عذاب ہو گا۔ حتیٰ کہ اگر میت کو جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا یا مچھلیوں نے کھالیا۔ تو اس کے اجزاء اصلیہ جس کو اجزائے لاتنجزی بھی کہتے ہیں۔ خود ان اجزاء سے روح کو تعلق دے کر سوال و جواب ہو گا کہ اجزائے تنجزی کبھی فنا نہیں ہوتے۔ جسم راکھ ہو گیا یا شیر کا پاخانہ بن گیا۔ مگر وہ اجزاء بحالہا ویسے ہی باقی رہے۔ اسی پر قیامت کے دن جسم بنایا جائے گا۔ اسی لئے آریہ کے آواگون میں اور اس حشر اجساد میں فرق ہو گیا۔ کیونکہ آریوں کے ہاں خود روح بدل جاتی ہے۔ اور ہمارے ہاں نہیں اور آریوں کے ہاں دوسرا جسم پہلے جسم کا بالکل غیر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں نہیں بلکہ جسم کے اصلی اجزا ان دونوں جسموں میں ایک ہی ہیں۔ اگرچہ ان جسموں کی صورت مختلف ہے۔ اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ دیکھو بچپن جوانی بڑھاپے اور ہماری تندرستی میں جسم کی شکلیں مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس سے آدمی نہیں بدل جاتا۔ کیونکہ اس کے اصلی اجزاء وہی ہیں۔ ایسے ہی قیامت میں اجزاء وہ ہی ہوں گے۔ جسم کی شکل بدل جائے گی۔ اسی طرح کسی میت کو دفن نہ کیا گیا تو اسے اسی میدان میں سوال و جواب ہوں گے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔ اگر کسی کو تابوت میں ہی رکھ دیا گیا۔ تو تابوت میں اس سے سوال و جواب ہوں گے اگرچہ کسی کو شعور نہ ہو۔ اشعۃ اللمعات باب اثبات عذاب القبر میں ہے۔ "و مراد بقبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہردو مقام نہ آں گورے کہ مردہ درو روود در گور کنند کہ بسا مردگان کہ در آب عرق شوند و در آتش سوختہ گردند و در شکم جانوراں بحلیل روند الاجزوے ازاں کہ آں راجزو اصل خوانند از اول عمر تا آخر آں باقی ماند ہم بدال جزو روح رامتعلق ساز د و جائے بخشد و عذاب کند و نعمت دہد ملخصاً"۔ نیز شرح عقائد نسفی میں ہے۔ **حتی ان الغریق فی الماء والماکول فی بطون الحیوانات والمصلوب فی الھواء یعذب وان لم نطلع۔** حاشیہ شرح عقائد میں کنز العباد سے ہے۔ **فی الروضۃ فی الباب السادس والعشرون فان قیل**

ما تقول اذا مات الرجل ولم یدفن ایاماثم یدفن ھل یسئل فی البیت فنقول اختلف المشائخ فیہ الخ وقال بعضھم یسئال فی البیت فی لیلۃ یصعد الارض حولہ فیصیر کالقبر ویسال لانہ روی الاخبارانہ یسئال المیت بعد الموت بلافصل ولومات رجل فی القریۃ فحملوہ فی التابوت لیحملوہ الی بلد آخرمتی یسئل فی القبر ام فی التابوت قال الفقیہ ابوجعفر البلفی یسئال فی التابوت لانہ کالقبر۔ ان عبارات سے بخوبی وہ امور معلوم ہوئے جو کہ ہم نے بیان کئے۔ واللہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

حضرت مسیح کے ابن ہونے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۱

علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک عیسائی نے ۲۶ محرم ۱۳۵۹ ہجری ۲۶ مارچ ۱۹۴۰ء کے اخبار الفضل میں ایک مضمون دیا ہے۔ جس میں اس نے قرآن پاک سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا اور افضل الرسل ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ ان دلائل کا کوئی عالم جواب نہیں دے سکتا۔ مہربانی کر کے جوابات ارقام کئے جائیں۔

الجواب

اشتہار مذکورہ فقیر کی نگاہ سے گذرا۔ اس میں محض دھوکہ بازی سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے دلائل تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

دلیل نمبر(۱) میں پادری نے لکھا ہے۔ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ

احمد۔ میں مسیح فرماتے ہیں کہ میں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہو گا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر احمد رسول نے آکر دین مسیح کو جھٹلانا تھا۔ اور مسیح کے خلاف چلنا تھا۔ تو مسیح ایسے رسول کی آمد کو بشارت کیونکہ کہہ سکتے تھے اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ احمد رسول نے آکر مسیح کے لئے راستہ صاف کرنا تھا اور لوگوں کو بتانا تھا کہ نجات مسیح کے ساتھ ہے۔

جواب پادری جی! اسلام نے دین مسیح کو کب جھٹلایا اور اس کی مخالفت کہاں کی اگر اسلام کہتا کہ دین مسیحی جھوٹا تھا یا حضرت مسیح نبی نہیں تو جھٹلانا ہوتا اسلام نے تو دین مسیح کیا تمام آسمانی دینوں کی تصدیق کی اور ان کے لانے والے نبیوں کو برحق فرمایا۔ ہاں ان تمام دینوں کی ایک ایک میعاد تھی کہ جس پر وہ پہنچ کر ختم ہو گئے۔ دین موسوی جس طرح حضرت مسیح کی تشریف آوری سے ختم ہو گیا اسی طرح دین عیسوی دین اسلام سے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح نے دین موسوی و ابراہیمی کو جھٹلا دیا۔ قاعدہ ہے کہ جب بچہ سکول جاتا ہے تو چھوٹی کلاسوں اور چھوٹے مدرسوں میں تعلیم پاتا ہے۔ جس قدر اس کی علمی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر بڑی کلاسوں اور بڑے مدرس کے پاس پہنچتا ہے۔ تو کیا بڑے مدرس چھوٹے مدرسوں کو جھٹلاتے ہیں۔ نہیں نہیں' بلکہ ان کے غیر مکمل کام کو مکمل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ لڑکا بی اے بی ٹی پاس کر کے راحت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اور انبیائے کرام دنیا کو حسب ضرورت تعلیم دیتے رہے۔ یہاں تک کہ دنیا کے آخری اور کامل معلم ﷺ ایک مکمل دین لیکر تشریف لائے اور اب مکمل سبق دنیا کو دے گئے۔ کہ اب کسی استاد کی ضرورت نہیں رہی اور فرمایا' **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** (پارہ:٦) رہا یہ کہ حضرت مسیح نے تشریف آوری حضور ﷺ کی خوشخبری کیوں دی۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا نے حضرت مسیح کو جھٹلایا۔ اور دنیا کے اس تاجدار ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی جس سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں ان کی تصدیق ہو گئی۔ دنیا نے ان کو اور ان کی کنواری طیبہ

طاہرہ والدہ ماجدہ کو عیب لگایا۔ اس رحمت عالم علیہ السلام نے ان کے دامن عفت سے یہ دھبہ ایسا دور فرمایا کہ جو قرآن پڑھے ان کی طہارت کے گیت گائے اور جس درس توحید کو وہ لائے تھے۔ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ غرضیکہ اس رحمت عالم علیہ الصلوۃ والتسلیمات کی بدولت ان کی رسالت کی تصدیق' ان کی والدہ ماجدہ کی پاکدامنی کی تائید ان کی کتاب کی حمایت ان کے کام کی تکمیل ہوئی۔ پھر کیوں نہ خوش ہو کر فرماتے کہ **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔** اگر قرآن نے اس طرح ان کا چرچا نہ کیا ہوتا تو دنیا ان کے نام سے ناآشنا ہو چکی ہوتی۔ آج دنیا میں ان ہی انبیاء اور کتابوں کا نام روشن ہے جس کو اس آفتاب رسالت ﷺ نے ظاہر فرمادیا۔ جن کا اسلام نے ذکر نہ کیا۔ ان کے نام بھی بھولے جا چکے۔

پادری جی! مسیح کا نام اسلام سے زندہ ہے نہ کہ آپ سے' پادری جی نے شاید سوتے میں کہہ دیا کہ احمد رسول نے آکر مسیح کے لئے رستہ صاف کرنا تھا۔ جناب ہوش سنبھالو۔ بادشاہ کے آنے سے پہلے راستہ صاف ہوتا ہے۔ یا گزر چکنے کے بعد اور بادشاہ کی آمد کی خبر اس کے ماتحت لوگ دیتے ہیں یا کہ ماتحت کی خبر بادشاہ۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک بادشاہ کی آمد کی خبر اور ان کے لئے راستہ صاف فرما دیا۔ تمام انبیاء نے ان کی تشریف آوری کی خبریں اپنی امتوں کو دیں اور ان کی آمد کی دعائیں مانگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ **وابعث فیھم رسولا منھم۔** انہی مکہ والوں میں رسول' ان ہی میں پیدا فرما۔

گن گائیں جنکے انبیا مانگیں رسل جن کی
دعا
وہ دو جہاں کے مدعا صل علیٰ یہی تو ہیں۔

دوسری دلیل

آپ فرماتے ہیں۔ **کیف تھلک امۃ انا اولھا وعیسیٰ ابن مریم اخرھا**

یعنی امت کے شروع میں ہوں اور آخر میں مسیح ابن مریم ہیں۔ وہ تباہ نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے کس صفائی سے فرمایا۔ کہ اگرچہ امت کی نجات شروع میں مجھ سے وابستہ ہے مگر آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم ہی نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

جواب پادری جی! یہ الٹی گنگا کس طرح بہہ رہی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تو حضور سید عالم ﷺ سے سینکڑوں برس پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر وہ حضور سے بعد میں کیوں ہو گئے۔ افسوس تم نے آنکھ پر پٹی باندھ کر حدیث لکھی۔ سنئے پہلے عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں نبی کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ اب دوبارہ امت نبی آخر الزمان کی حیثیت سے تشریف آوری ہو گی۔ اور اسلام کے مبلغ کی حیثیت سے۔ جیسے کہ ایک جج کسی بڑے جج کی کچہری میں کسی مقدمہ کی گواہی دینے جائے۔ تو اگرچہ وہ اپنی کچہری میں جج ہے۔ مگر یہاں اس بڑے جج کا گواہ اور اس جج کا ماتحت۔ سبحان اللہ اس امت مرحومہ کا کیا رتبہ ہے کہ ایک نبی معظم اس کی امت کا فرد ہے۔ اس حدیث میں یہ ہی ہے۔

تیسری دلیل

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان گوناں گوں مصائب میں گرفتار ہیں اور دنیا میں ہر لحاظ سے گر رہے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہی ہے کہ جناب مسیح کو مسلمان قبول کر کے دین مسیحی میں داخل نہیں ہوتے۔

جواب مسلمانوں کی پستی اور کمزوری صرف اس لئے ہے کہ وہ اسلام پر پوری طرح قائم نہ رہے۔ ورنہ جب تک مسلمان پختہ تھے۔ تب تک انہوں نے یہودی عیسائی مشرکین وغیرہم تمام کو اپنا غلام بنا لیا۔ پادری صاحب پچھلی لڑائیاں بھول گئے کیا قادسیہ اور یرموک کے میدان آپ کو یاد نہ رہے کہ جہاں عیسائی ۷ لاکھ اور مسلمان صرف چالیس ہزار تھے۔ مگر عیسائیوں کو وہ مار پڑی کہ آپ اب بھی جانتے ہوں گے۔ اور آپ کا سراب

تک یاد کرتا ہو گا۔ مسلمانوں نے روم و ایران بلکہ تمام دنیا پر صدہا برس تک نہایت شان و شکوہ سے حکومت کی۔ ابھی سو رہے ہیں۔ مگر سمجھ لو کہ یہ سوئے ہوئے شیر ہیں۔ اچھا اگر ہم مان لیں کہ عیسائیت سے عزت ملتی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اینگلو انڈین کی انگریز عیسائیوں کے سامنے موچی کے برابر بھی عزت نہیں۔ امریکہ والے اپنی خیرات سے پندرہ بیس روپیہ ماہانہ ان کو تنخواہ دیتے ہیں جس سے بمشکل تمام ان کی گزران ہوتی ہے۔ نہ پاؤں میں جوتا ہے نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر عمدہ کپڑے۔ ان کا گرجا علیحدہ ان کا قبرستان علیحدہ کیوں صاحب مسیحی تو یہ بھی ہیں۔ انہیں کیوں نہ عزت ملی۔ آؤ اسلام کی آغوش میں تو عزت بھی پاؤ گے اور ہدایت بھی۔

چوتھی دلیل

جب کوئی نبی زندہ آسمان پر نہ گیا اور خدا نے اس قابل نہ سمجھا کہ دوبارہ اگر امت محمدیہ کی اصلاح کرے اور اس عظیم الشان کام کو کرنے کے لئے صرف مسیح کو ہی منتخب کیا۔ تو مسیح کی فضیلت میں کیا کمی رہ گئی۔

جواب میں ایک مثال بیان کرتا ہوں' بادشاہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک سپہ سالار کو سردار لشکر بنا کر بھیجا مگر دشمن اس سے نہ دبا۔ بلکہ اس کے قتل کی تیاری کی۔ لہٰذا بادشاہ نے اسے واپس بلا لیا اور دوسرا سپہ سالار بھیجا۔ جس نے تمام دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر حکم دیا کہ چونکہ تم دشمن پر غالب آ گئے اور دنیا تم کو مان گئی۔ لہٰذا تم وہاں ہی رہو اور جہاد کئے جاؤ۔ خوب حکمرانی کرو۔ پھر پہلے کو دوسرے کا ماتحت بنا کر بھیجا۔ ان دونوں میں کون سپہ سالار بڑے رتبہ والا ہے۔ ہر عقلمند کہے گا۔ کہ دوسرا جناب مسیح علیہ السلام کے یہودی ایسے دشمن ہوئے کہ ان کو قتل کرنے کے ارادے سے قید کر دیا۔ اس وقت مدد الٰہی نے ان کی دستگیری کی اور ان کو آسمان پر بلا لیا۔ برخلاف اس کے کہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ بغیر دنیاوی سامان اور شوکت کے ساری دنیا سے مقابلہ کیا۔ صرف ۲۳ سال کی تھوڑی مدت میں عالم کی ہوا بدل دی۔ پیغام الٰہی پہنچتا رہا۔ یاایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ اور ان پر خوب سختی کرو۔ کہئے جو کفار سے تنگ آ کر تارک الدنیا ہو جائے اور جو ان میں رہ کر ان کی اصلاح کرے۔ ان میں کون افضل ہے؟ رہا آسمان پر جانا' رہنا۔ اس میں کوئی ایسی خاص افضلیت نہیں کہ صرف اس کی وجہ سے تمام انبیاء سے افضل کہا جائے حضرت ادریس علیہ السلام تو حضرت مسیح سے بھی اوپر ساتویں آسمان پر بلکہ بہشت میں تشریف فرما ہیں۔ ملائکہ' چاند' ستارے' سورج آسمان پر ہی ہیں۔ کیا پادری صاحب ان سب کو حضرت مسیح سے افضل جانیں گے۔ ہاں آسمان پر بلایا جانا۔ وہاں کی سیر کرانا کہ خدائے قدوس کی مہمانی ہو۔ ملائکہ زمین پر لینے کو آئیں۔ تمام جنت دوزخ عرش و کرسی کی سیر کرائی جائے۔ راز و نیاز ہو۔ اس جانے میں اور اس جانے میں بڑا فرق ہے۔ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس طرح معراج میں بلایا گیا۔

پانچویں دلیل

ہم مسیح کو خدا کا بیٹا کیوں نہ مانیں جب قرآن کہتا ہے کہ خدا ہی حی و قیوم ہے یعنی زندہ اور غیر متغیر ہے۔ مگر مسیح دو ہزار سال سے زندہ اور غیر متغیر آسمان پر بیٹھا ہے۔ لہٰذا وہ بھی خدا یا خدا کا بیٹا ہے۔

جواب

پادری جی۔ یہ تو خوب کہا کہ جس کی عمر بڑی ہو اور آسمان پر بیٹھا رہتا ہو' وہ خدا کا بیٹا'

تو سارے فرشتے خدا کے بیٹے چاند سورج، حضرت ادریس علیہ السلام خدا کے بیٹے بتاؤ تو خدا کے کتنے بیٹے ہیں۔ اور کس کس بیوی سے پیدا ہوئے اور تمہارے خدا کا نکاح کتنی جگہ ہوا۔ کہاں کہاں خدا کی سسرال ہوئی۔ **وما قدرو اللہ حق قدرہ** اگر اوپر رہنے میں افضلیت ہوا کرے۔ تو دریا میں حباب اوپر اور موتی نیچے ہے۔ ہر ہلکی چیز اوپر اور وزنی چیز نیچے رہتی ہے۔ تو کیا موتی سے حباب افضل ہوتا ہے۔ ع

حباب برسر آب و گہر تہ دریاست۔

حضرت مسیح علیہ السلام صرف ڈیڑھ دن آسمان پر قیام فرمائیں گے۔ جو یہاں کے صدہا سال ہوئے۔ اس زمانہ میں جب وہ اس دنیا میں قیام فرمانہ ہوئے تو وہ زمانہ عمر قرار نہ پائے گا۔ اور عمر مان بھی لیں تو کیا ضروری ہے۔ ہر بڑی عمر والا چھوٹی عمر والے سے ہر طرح افضل ہوا۔ اگر باپ کی عمر پچاس سال اور بیٹے کی سو سال ہو تو کیا بیٹا باپ سے افضل ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ۳۳ سال دنیا میں قیام فرمایا۔ اور حضرت نوح علیہ لسلام نے ساڑھے پندرہ سو برس۔ تو کیا حضرت نوح کو تم عیسیٰ علیہ السلام سے افضل مطلق مانو گے۔ سانپ گدھ اور بعض درختوں کی عمریں انسان سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ تو کیا یہ چیزیں انسان سے افضل ہیں ہرگز نہیں۔

چھٹی دلیل

خدا کے سوا کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ مردے زندہ کرے آدم سے لے کر اب تک کسی نے ایسا نہ کیا۔ لیکن ایک ہستی ایسی پائی جاتی ہے جس نے مردے زندہ کئے۔ وہ ہمارے منجی خداوند مسیح ہیں۔ اب آپ کے لئے دو ہی راستہ ہیں یا تو یہ تسلیم کریں کہ قرآن کی یہ آیت درست نہیں۔ کہ خدا ہی مردے زندہ کرتا ہے یا یہ مانیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ کیونکہ بیٹا باپ سے جدا نہیں۔

جواب پادری جی! معجزوں کا کون منکر ہو سکتا ہے۔ بے شک جناب مسیح علیہ السلام نے

مردے زندہ کیئے۔ لیکن معجزے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کام خدا کی طرف سے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا' **واحی الموتی باذن اللہ۔** یعنی میں خدا کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں۔ ان معجزات سے کوئی بھی نبی خدا کا بیٹا نہ بنا۔ آپ کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ آدم سے لے کر اب تک کسی نبی اور ولی نے مردے زندہ نہ کیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ایک شخص (مردے) کو گائے کے کچھ اعضاء مار کر زندہ فرمایا اور ان کا یہ معجزہ تو مشہور ہی ہے۔ کہ لاٹھی کو زندہ سانپ بنا دیتے تھے۔ طور پر ستر آدمی زندہ کیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندوں کو ذبح فرما کر زندہ فرمایا۔ جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ **ثم ادعھن یاتینک سعیا۔** خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے زندہ کیئے چنانچہ حجتہ الوداع میں اپنے والدین ماجدین کو زندہ فرما کر انہیں اسلام کی تلقین فرمائی۔ دیکھو شامی۔

اسی طرح حضرت جابر کے دو بچوں کو زندہ فرما کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ جن میں سے ایک کو دوسرے نے ذبح کر دیا تھا۔ اور دوسرا چھت سے گر کر فوت ہو چکا تھا۔ ان کے صحابہ کرام نے ان کا نام لے کر مردے زندہ کیئے۔ چنانچہ ایک انصاری نابینا بڑھیا نے اپنے بیٹے کو آپ کا نام لے کر زندہ کیا۔ دیکھو شرح قصیدہ بردہ للخرپوتی کی اس شعر کی شرح ۔

لو ناسبت قدرہ ایاتہ عظما - احی اسمہ حین یدعی دارس الرمم

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۔

وسالت ربک فی ابن جابر بعدما - ان مات احیاہ قد ارضاک

ان کی امت کے اولیاء نے ہزار مردے زندہ کیئے جیسے حضور شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ اگرچہ آپ ان باتوں کو نہ مانیں۔ مگر چونکہ آپ نے ہم کو ہمارے مذہب سے الزام دیا۔ اس لئے یہ جواب دیا گیا۔

اور سنئے حضرت اسرافیل صور پھونک کر تمام مردوں کو زندہ کریں گے حضرت عزیر

علیہ السلام نے اپنے مرے ہوئے گدھے کو سو برس کے بعد زندہ فرمایا آپ شاید ان سب کو خدا کا بیٹا مانیں گے۔ العیاذ باللہ۔ پادری جی! یہ خوب کہہ گئے کہ باپ سے بیٹا جدا نہیں۔ تو جو خدا کا حال وہ بیٹے کا حال وہ خدا کا تو عیسائی مذہب پر تو یہودیوں نے حضرت مسیح کو سولی دیدی تو کیا عیسائیوں کے خدا کو بھی یہودیوں نے سولی دیدی۔ اگر ایسا ہے تو ایسے مجبور اور مظلوم خدا کو ہمارا دور ہی سے سلام جو کہ یہودیوں سے بھی کمزور ہو۔

ساتویں دلیل

آدم سے رسول عربی تک کسی نے کچھ بھی پیدا نہ کیا۔ لیکن یہاں بھی مسیح کی امتیازی شان موجود ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں لکھا ہے۔ **انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا۔** اب یا تو یہ کہو کہ قرآن کی یہ آیت صحیح نہیں کہ صرف خدا ہی خالق ہے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور باقی نبیوں سے افضل۔

جواب پادری جی! تم نے دھوکہ دینے کو آیت صحیح پوری نہ لکھی اور ترجمہ بھی غلط کیا۔ سنئے! آیت پوری یہ ہے۔ **انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وابری الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ۔** یعنی میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ وہ پھونک مارنے سے خدا کے حکم سے فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردے کو خدا کے حکم سے (آل عمران) اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ مردے زندہ کرنا بیماروں کو اچھا کرنا اور تمام معجزات دکھانا خدا کے حکم سے تھا۔ **اخلق** کے معنی اس جگہ بنانے کے ہیں۔ نہ کہ پیدا کرنے کے ورنہ **کھیئۃ الطیر** کا لفظ بیکار رہے

گا۔ یعنی میں پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ قرآن پاک میں خلق کا لفظ بنانے کے لئے اور جگہ بھی بولا گیا ہے۔ کفار سے خطاب کر کے فرمایا گیا **وتخلقون افکار۔ (عنکبوت)** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو پکار کر زندہ فرمایا۔ ماں کے پیٹ میں فرشتہ بھی یہی کرتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کے بطن میں اسی طرح پھونک مار کر خود مسیح کو بنایا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بنایا۔ شاید ان سب کو آپ خدا کا بیٹا تسلیم کریں۔ سبحان اللہ! اتنی سی قابلیت اور علم میں مسلمانوں سے الجھ بیٹھے۔

آٹھویں دلیل

قرآن مسیح کو روح اللہ اور کلمتہ اللہ کہتا ہے۔ زمین پر آپ کا کوئی باپ نہ تھا۔ اور نہ آپ انسانی نطفہ سے پیدا ہوئے؟ اور یہی وجہ ہے کہ آپ پر موت قبضہ نہ کر سکی؟

جواب پادری جی! اور بھی تعجب کی بات سنئے کہ میں اور آپ بھی روح اللہ ہیں یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی روح' ہر چیز اللہ نے بنائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ خلاف عادت طریقہ سے بغیر واسطہ باپ پیدا ہوئے۔ ان کی عزت بڑھانے کے لئے روح اللہ اور کلمتہ اللہ کہا گیا۔ یعنی بغیر واسطہ باپ' اللہ کی پیدا کی ہوئی روح' جیسے کہ آپ گرجا گر کہتے ہیں بیت اللہ' کیا خدا اس میں رہتا ہے؟ نہیں بلکہ مطلب یہ کہ کسی انسان کا اس پر دعویٰ ملکیت نہیں اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہو۔ تو حضرت آدم و حوا بدرجہ اولیٰ خدا کا بیٹا اور بیٹی ہوں گے۔ اور تمام فرشتے خدا کی اولاد۔ یہ سب بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔ غرضیکہ یہ تمام باتیں لغو اور بے بنیاد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

احمد یار خاں عفی عنہ

قرآن کریم کو ہندی رسم الخط میں لکھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید غلام بھیک نیرنگ نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ قرآن کو ہندی رسم الخط میں چھاپا جائے تا کہ اس سے دیگر اقوام ہند میں تبلیغ کا کام ہو سکے آیا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عرض ہے کہ قرآن کی تحریر کی آیات قرآنیہ سے مشق جائز ہے یا نہیں؟ اور حمائلیں وغیرہ چھاپنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خدائے پاک میر صاحب کے حال پر رحم فرمائے۔ ان کو اس بڑھاپے میں جو سوجھتی ہے وہ نرالے پر فتن ہیں ابھی عورتوں کو طلاق کا حق دلوایا اور بر عکس نام نہند زنگی کافور نام رکھا خلع بل اب یہ نئی سوجھی۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ **نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون۔** اس آیت میں حافظون کو مطلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم تلاوۃ" وکتابتہ" ہر طرح محفوظ ہے۔ جس طرح اس کی عبارت بدلنا جائز نہیں اور وہ قرآن نہ ہو گا۔ اسی طرح اس کا رسم الخط بھی بدلنا جائز نہیں کہ وہ قرآن کی تحریر نہ ہو گی ہندی یا انگریزی تو دور کا سوال ہے یہاں تو خط نستعلیق میں قرآن لکھنا منع ہے۔ نسخ میں ہی لکھا جائے گا۔ اور نسخ میں اسی طرح اسی روشن سے جس طرح منقول ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ اب ہماری رسم الخط اس کے خلاف ہو گئی ہو۔ **بسم الله** کا سین دراز ہی کر کے لکھا جائے گا **لنسفعا** تنوین ہی سے لکھا جائے گا۔ نہ کہ نون خفیفہ سے **بئس الاسم الفسوق۔** لام الف سے لکھا جائے گا اگرچہ پڑھنے میں صرف لام آتا ہے۔ غرضیکہ طریقہ تحریر بھی سلف عثمانی کے موافق ہو گا۔ اتقان جلد دوم صفحہ ۱۷۱ میں کتابتہ القرآن کے ذکر میں ہے۔ **وهل یجوز غیر عربی الاقرب المنع کما تحرم**

قراته بغير لسان العربی قلولهم القلم احدی اللسانين وقد قال تعالیٰ بلسان عربی مبين۔ اسی میں صفحہ ۱۶۷ پر ہے وقال الامام احمد يحرم مخالفة خط مصحف عثمان فی واوا وياء اوالف وغير ذالک اسی صفحہ پر ہے۔ قال البيهقی فی شعب الايمان من يكتب مصحفا فينبغی ان يحافظ علی الهجاء الذی كتبوبه تلک المصاحف ولا يخالفهم فيه ولا يغيره مما كتبوه شيئاً فانهم كانوا اكثر علما واصدق قلبا ولسانا واعظم امانة منا فلا ينبغی ان نظن بانفسنا استدراكا عليهم اتقان جلد دوم صفحہ ۱۶۷ نوع فی مرسوم الخط میں ہے سئل مالک هل يكتب المصحف علی ما احدثه الناس من الهجاء فقال لا الاعلی الكتبة الاولیٰ اسی صفحہ ۱۷۰ میں ہے عن ابن سيرين انه كان يكره ان تمد الباء الی الميم حتی تكتب السين۔ ان عبارات سے بالکل ظاہر و باہر ہو گیا کہ قرآن کریم کی تحریر عربی خط میں ہی ہو گی اور وہ بھی موافق مصحف عثمانی خواہ آج کل کی رسم الخط اس کی موافقت کرے یا نہ کرے۔ جبکہ رسم الخط قرآن میں اس قدر پابندی ہے تو ہندی یا انگریزی رسم الخط میں قران لکھنا تو صریح تحریف ہے کہ اولاً "تو اوپر ذکر کی ہوئی پابندیوں کے خلاف ہے۔ دوم سین 'صاد' ثاء میں اسی طرح ق اور ک میں ز۔ ذ۔ ظ میں فرق بالکل نہ ہو سکے گا۔ مثلاً ظاہر کے معنی ہیں نمایاں اور زاہر کے معنی ہیں چمکدار یا ترو تازہ اب اگر ہندی میں آپ نے یا انگریزی میں ZAHIR لکھا تو کیسے معلوم ہوا کہ ظاہر ہے یا زاہر اسی طرح تاہر اور طاہر دوم یہ قدر اور قادر اور دونوں انگریزی اور ہندی میں ایسے لکھے جاتے ہیں QADIR بتائیے قادر اور قدیر۔ سامع اور سمیع' عالم اور علیم میں کس طرح فرق رہے گا۔ غرضیکہ اوصاف الفاظ تو درکنار خود حروف ہی منقلب ہو جائیں گے۔ اور معنی ہی ختم۔ میر صاحب قبر میں جانے کو ہیں کیا یہ اعمال منکر نکیر کو دکھائیں گے۔ اب قران کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ بعض علماء تو قرآن میں رکوع اور نقاط اعرابی اور آیات اور اسماء سور

لکھنے کے بھی خلاف رہے مگر یہ محسوس کرکے کہ ان کے بغیر لوگ قرآن صحیح نہ پڑھ سکیں گے۔ اور ان سے قرآن غیر قرآن سے مشتبہ نہیں ہوتا اور دلالات قراۃ میں اس لئے جائز رکھا گیا۔ اسی اختلاف کو صاحب اتقان بیان فرما کر فرماتے ہیں۔ **واما النقط فیجوز لانه لیس له صورة فیتوهم لا جلها لیس بقرآن قرانا۔** جب اعراب قرآنیہ میں یہ صورت ہے تو مسخ قرآن کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ خدا ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بوقت نکاح خاوند کی شرائط لکھنے اور پورا نہ کرنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۳

علمائے دین و ہادیان شرع متین مسئلہ ذیل میں از روئے شرع شریف کیا فرماتے ہیں۔ زید کی شادی ہندہ سے بہ تحریر ایں شرائط ہوئی۔

(۱) مہر عندالطلب ۵۰۰ ادا کیا جائے گا۔

(۲) نان و نفقہ کا کفیل رہوں گا۔

(۳) زوجہ کی دلجوئی رکھوں گا۔

(۴) چکی وغیرہ پینے پر مجبور نہ کروں گا۔

(۵) بصورت انقلاب ناچاقی دس روپے ماہوار گزارے کے لئے دیا کروں گا۔

(۶) بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے۔

مولوی سید احمد شاہ ان لاہور

(۷) جو ظروف خانہ داری اور زیور طلائی و نقری' میری جانب سے زوجہ کو دیئے گئے ہیں۔ وہ ملکیت زوجہ ہوں گے۔ قبل از نکاح وارثان زوج نے حلفی قول سے اطمینان دلایا کہ زوج پٹواری ملازم ہے اور انگریزی دسویں جماعت پاس ہے۔ بعد نکاح جو

زیور نکاح میں چڑھائے گئے۔ وہ عاریتہ" تھے۔ جو کہ دوسرے ہی دن اتار لئے گئے۔ اور ثابت ہوا کہ نہ تو زوج دسویں جماعت پاس ہے اور نہ پٹواری ہے۔ بلکہ جنگل میں مویشی چراتا ہے۔ ایسی صورت میں زوجہ کو یہ اختیارات کام میں لانے کا اختیار ہے یا نہیں۔ کیونکہ وارثان زوج کی غلط بیانی اور دھوکہ دہی پورے طور پر ثابت ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ میں عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ جب تک کہ شوہر اپنی طرف سے طلاق نہ دے۔ تب تک وہ نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ اولا" تو اس لئے کہ سائل کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائط مذکورہ پہلے طے کر کے پھر ایجاب و قبول ہوا یعنی شرائط نکاح سے پہلے طے ہوئیں لہٰذا یہ نکاح بالشرط ہوا۔ اور نکاح بالشرط میں نکاح، صحیح اور شرائط فاسدہ فاسد رہتی ہیں۔ در مختار میں قبیل باب الولی میں ہے۔ **ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ ولکن لوکان النکاح معلقا" علی ھذہ الشروط لم ینعقد النکاح کما ھو مصرح فی ھذا المقام۔** نیز نکاح سے قبل زوج خود ہی طلاق دینے کا مالک نہ تھا۔ تو جس کا خود مالک نہ ہو اس کا دوسرے کو کس طرح مالک کر سکتا ہے۔ **فان التملیک یتفرع علی الملک۔** ہاں اگر زوجہ کی طرف سے ایجاب بشرط تملیک طلاق ہو تو تفویض درست ہے۔ در مختار باب الامر بالید میں ہے۔ **نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح۔** اس کے ماتحت ردالمحتار میں ہے۔ **مقید بما اذابتدات المراۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید فقال الزوج قبلت اماابتداء الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدھا۔**

دوم اس لئے کہ تحریر یہ ہے کہ بوجوہات مجبوری زوجہ کو تفویض طلاق کا اختیار بھی ہے اس عبارت میں مجبوریوں کی بناء پر طلاق کی تفویض کا اختیار دیا گیا ہے اور مجبوریوں

کی تفصیل بالکل نہیں کی گئی کہ کس قسم کی مجبوری' اور ظاہر ہے کہ شوہر کا انگریزی دسویں جماعت پاس نہ ہونا یا پٹواری نہ ہونا یا زیورات کا عاریتہ" ہونا ایسی مجبوری نہیں جس سے طلاق حاصل کی جاوے۔ اور نکاح جیسی نعمت کو خیرباد کہا جاوے۔ زیور کے بغیر زندگی بے تکلف گزاری جا سکتی ہے۔

سوم لکھا گیا ہے کہ تفویض طلاق کا بھی اختیار ہے اس میں طلاق کا اختیار نہ دیا گیا بلکہ تفویض طلاق کا اور یہ الفاظ اختیار طلاق کے نہیں کہ اختیار کے لئے الفاظ خاص ہیں۔ در مختار باب تفویض الطلاق میں ہے۔ **والفاظ التفویض ثلثة تخییر وامر بید ومشیة** خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بوجوہ ثلاثہ مذکورہ بالا عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کے والدین بحالت شیر خوارگی فوت ہو گئے۔ اور پانچ سال کی عمر میں اس کی نانی نے اس کا نکاح کر دیا۔ بالغہ ہوتے ہی لڑکی نے نکاح کو نامنظور کر دیا اور کہا کہ نہ میرا نکاح ہوا اور نہ مجھے منظور۔ نہ مجھے خبر' حکام وقت سے اجازت نکاح ثانی ہو گئی اور انہوں نے نکاح اول فسخ کر دیا اب شرعاً" اس کا نکاح ثانی درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

از گجرات

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ نابالغہ کا نکاح ثانی نے کیا ہے۔ اس لئے لڑکی کو خیار بلوغ ملے گا۔ اور بالغہ ہوتے ہی فسخ کر سکے گی۔ ہدایہ میں ہے۔ **وان زوجها غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ باب الاولياء والاكفاء** لیکن اس فسخ کے لئے قضائے قاضی ضروری ہے۔ کنز میں ہے۔ **ولهما الفسخ بالبلوغ فى غير الاب والجد بشرط القضاء**۔ چونکہ اس زمانہ میں شرعی سلطانی قاضی نہیں۔ اس لئے کسی ایسے احکام کے لئے وہ ہی قاضی ہیں۔ کچہری کے حکام کا حکم اس بارے میں نافذ نہیں۔ کہ ان میں سے اکثر غیر مسلم ہیں اور جو مسلم ہیں وہ قانون انگریزی کے پابند ہیں۔ شرعی احکام نافذ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس صورت میں عالم مذکور کو ہی بعض امور میں قاضی مانا جائے گا۔ شامی کتاب الجہاد (**فيما يصير دار الاسلام دار حرب**) میں ہے۔ **واما فى بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضى بتراضى المسلمين**۔ اسی شامی کتاب القضا میں ہے۔ **واذا لم يكن سلطان والامن يجوز التقلد منه يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليافيولى قاضيا ويكون هو الذى يقضى بينهم**۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ صورت مذکورہ میں اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی بلا تامل فسخ نکاح کر دیا تو کسی بااثر عالم دین سے حکم فسخ لے کر اور حاکم وقت سے جاری کرا کر اور جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

دوسرے قومے میں ہاتھ چھوڑ کے دعا مانگنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۵

بخدمت شریف جناب مولانا صاحب السلام علیکم۔ واضح رائے عالی ہو کہ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات میں سید غیاث اللہ شاہ نے جدید طریقہ سے صبح کی نماز فرض شروع کر دی ہے۔ یعنی دوسرے قومے میں ہاتھ چھوڑ کر دعا مانگنی بعدہ سجدہ کرنا۔ آپ اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ مجھے تحریری بحوالہ کتب عنایت فرمادیں۔ والسلام

الجواب

زمانہ موجودہ میں کسی نماز کے قومہ میں کوئی دعا خواہ قنوت نازلہ ہو یا کچھ اور پڑھنا منع ہے کہ اس سے تاخیر سجدہ لازم آتی ہے۔ سوائے وتر، اور کسی نماز میں دعائے قنوت جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ **ولا یقنت فی صلوٰۃ غیرھا۔** اسی میں ہے۔ **ولھما انہ منسوخ باب الوتر۔** حضور سید عالم ﷺ سے جو قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے وہ منسوخ ہے۔ کہ صرف ایک ماہ حضور ﷺ نے پڑھی۔ پھر چھوڑ دی چنانچہ مسلم اور بخاری میں ہے۔ **کان اذا اراد ان یدعوا علی احدا ویدعوا لاحد قنت بعد الرکوع حتیٰ انزل اللہ لیس لک من الامر شئی۔** نیز ابوداؤد نسائی میں ہے۔ **قلت شھرا ثم ترکہ۔** مشکوٰۃ باب القنوت۔ ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ فجر کے فرضوں میں بعد رکوع دعا پڑھنا منسوخ ہے۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے منسوخ ہے۔ **لیس لک من الامر شئی۔** اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ " خواندن ایں قنوت در نماز صبح نمود در نماز صبح کہ قنوت خواندہ اند در ہمیں قضیہ بود فقط نہ کہ دائمی " اسی اشعۃ اللمعات میں ہے۔ " نیست قنوت نہ در نماز صبح و نہ غیر آن جز وتر " یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں دعاء قنوت نہیں ہے۔ ابن ماجہ و ترمذی میں ہے۔ **وعن ابی**

مالک الاشجعی قال قلت لابی انک قد صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی ھھنا بالکوفۃ نحوا من خمس سنین اکانوا یقنتون قال ای بنی محدث۔ یعنی ابومالک اشجعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ اور صدیق و فاروق وعثمان غنی وحیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی۔ کیا یہ لوگ نماز صبح میں دعا قنوت پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے یہ بدعت ہے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قومہ فجر میں کسی قسم کی دعا پڑھنا منع ہے۔ نیز اس میں فرض یعنی سجدے کی تاخیر ہے۔ یہاں تک کہ جماعت میں امام کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔ امام ربنا لک الحمد نہ کہے۔ جب امام کو ربنا لک الحمد کہنا بھی نہ چاہیے۔ تو اتنی لمبی دعائیں پڑھ کر سجدے میں تاخیر کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ہدایہ باب صفۃ الصلوۃ میں ہے۔ یقول المؤتم ربنا لک الحمد ولا یقولھا الامام ہاں حنیفہ کے یہاں یہ حکم ہے کہ جب اسلام یا عامۃ المسلمین پر کوئی آفت آئے تو قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں جیسا کہ شامی وغیرہ میں موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اس زمانہ میں اسلام یا عامۃ المسلمین پر کون سی ایسی آفت آن پڑی ہے جو چھ ماہ یا ایک سال پیشتر نہ تھی۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ عمرو عثمان وعلی و حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شہادت ہوئی۔ اتنا بڑا واقعہ کربلا ہوا۔ مگر کہیں ان حضرات نے ایسے موقعوں پر قنوت نازلہ نماز صبح میں نہیں پڑھی۔ اب واقعہ کربلا سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہو رہا ہے۔ جس کے لئے یہ دعا پڑھی جا رہی ہے کسی کا جیل میں ہو آنا یا حکومت کا کسی کے خلاف ہو جانا واقعہ ہائلہ اسلام نہیں ہے۔ ہاں ہندوستان میں وہابی غیر مقلد یہ دعا پڑھتے ہیں۔ شاید دیوبندی جو کہ حقیقتاً غیر مقلد ہیں اور صرف مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حنفی شکل ظاہر کرتے ہیں۔ وہ بھی پڑھتے ہوں غرضیکہ یہ قنوت نازلہ نماز فجر وغیرہ میں پڑھنا منع ہے۔ عامہ کتب فقہ میں اس کی ممانعت موجود ہے۔

مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے اور آفت ناگہانی کے لئے قنوت چند روز پڑھی جائے نہ کہ ہمیشہ۔ جیسے کہ حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ پڑھی۔ اور جیسے کہ استسقاء کہ صرف تین دن پڑھی جاتی ہے نہ کہ بارش کے آنے تک۔ پھر بھی بہتر یہی ہے کہ نماز سے خارج پڑھیں۔ اگر ایسے نازک موقعہ پر نماز فجر میں پڑھیں تو اگرچہ بہتر نہیں مگر جائز ہو گی۔

احمد یار خاں عفی عنہ

حرمت اور غیر حرمت والی عورتوں کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۶

علمائے دین اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ محرمات عورتوں کے پہچاننے کا کیا قاعدہ ہے؟ اور ذی رحم محرم اور حرام عورت میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عورت کبھی حرام اور کبھی حلال ہو' یا حرام ہمیشہ حرام رہے گی اور حلال ہمیشہ حلال اور عورتوں کی تحریم میں کیا مصلحت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عورتوں کی حرمت دو طرح کی ہے۔ اصلی اور عارضی۔ اصلی یہ ہے کہ عورت اصل سے ہی حرام ہو۔ اور عارضی وہ ہے کہ کسی وجہ نے عورت کو حرام کر دیا۔ ورنہ بذاتہ وہ حلال تھی۔ عارضی حرمت پھر دو طرح کی ہے لازم اور غیر لازم لازم وہ جو اب کبھی حلال نہیں ہو سکتی اور غیر لازم وہ کہ اگر یہ عارضہ اٹھ جائے۔ تو عورت حلال ہو جائے۔ عارضی غیر لازم کی کل چار صورتیں ہیں۔

(ا) عورت کا مشرکہ یا مجوسیہ ہونا کہ اگر آج مسلمان ہو جائے۔ تو اس سے نکاح

جائز ہے۔

(۲) اجنبیہ عورت کا منکوحہ غیر ہونا کہ اگر اس کا شوہر مرجائے یا طلاق دیدے تو حلال ہے۔

(۳) اس کی بہن یا پھوپھی یا خالہ یا بھانجی یا بھتیجی کا اپنے نکاح میں چار عورتوں کا ہونا اس کی موجودگی میں ان سے نکاح ناجائز ہے۔ لیکن اگر اس کو طلاق دیدی یا مرگئی۔ تو ان سے نکاح جائز ہے۔

(۴) کسی مرد کے نکاح میں چار عورتوں کا ہونا تمام عورتوں کے نکاح کو حرام کرتا ہے۔ مگر اگر ان چاروں میں سے ایک بھی مرجائے تو فوراً ہی اور ایک کو طلاق دے دی۔ تو عدت کے بعد دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ حرمت لازمہ کی چند صورتیں ہیں۔

نمبرا دادا باپ کا اس عورت سے نکاح وطی یا مس. شہوت کرنا اولاد پر ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام کردے گا۔

نمبر۲ کسی کی بیٹی سے نکاح یا وطی کرلینا۔

نمبر۳ کسی کی ماں سے نکاح کرلینا اور وطی کرنا کہ ان سے حرمت دائمی یعنی عارضی لازمی ثابت ہوگی۔

نمبر۴ اپنے بیٹے کا کسی عورت سے نکاح یا وطی کرلینا وغیرہ۔ حرمت اصلیہ اور لازمہ کی کل تین وجہیں ہیں۔ نسب' مصاہرت' رضاعت' نسب کی کل چار عورتیں محرم ہیں۔ اپنے اصول اپنے فروع۔ اصول قریبہ کے فروع۔ اصول بعیدہ کے فروع قریبہ باقی تمام حلال' مصاہرت سے کل دو صورتیں محرم ہیں' بیوی کے اصول اور اس کے فروع' اپنی رضاعی ماں کے اصول اور فروع اسی طرح رضاعی باپ کے تمام اصول و فروع مثل نسب کے حرام ہیں۔ یعنی چار جہتوں سے حرمت آئے گی۔ مگر رضاعت میں شرط ہے۔ کہ ڈھائی سال کی عمر میں منہ کے راستہ سے عورت کا دودھ بچہ کے پیٹ میں پہنچے' خواہ

عورت مردہ ہو یا زندہ اگر دودھ کا مکھن یا لسی یا بالائی پیٹ میں گئی۔ یا پاخانہ پیشاب کے مقام یا ناک کان سے پیٹ میں گیا۔ تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہو گی۔ نسب کی جہت سے جو عورتیں حرام ہیں ان کو رحم اور محرم کہتے ہیں۔ یعنی ان سے رحمی رشتہ بھی حاصل ہے اور محرمیت بھی۔ اس کے علاوہ اور جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوں۔ وہ محرم تو ہیں۔ مگر ذی رحم نہیں۔ ذی رحم محرم سے پردہ واجب نہیں اور اس کے ساتھ سفر اور خلوت جائز اور محرم غیر ذی رحم سے پردہ تو واجب نہیں۔ مگر ان سے خلوت اور ان کے ساتھ سفر جائز نہیں۔

عورتوں کی تحریم میں چند مصلحتیں ہیں۔ اولاً" تو محرمات سے نکاح عقلاً" بے غیرتی ہے کہ کفار بھی اس کو روا نہیں رکھتے اور بعض جانور بھی ماں وغیرہ سے بچتے ہیں۔ دوم یہ کہ ماں مخدومہ ہے اور بہن مساوی حقوق والی۔ اگر ان سے نکاح ہو۔ تو بیوی خادمہ ہوتی ہے اور مخدومہ یا مساویہ کو خادم بنانا ناجائز ہے۔ اسی لئے شوہر سے غلاموں کی طرح خدمت لینا عورت کو جائز نہیں۔ نیز باپ اور ماں کو نوکر رکھ کر مثل نوکروں کے کام لینا منع ہے۔ نیز اب جو ایسے نکاح سے بچہ ہو۔ اس کا بھائی کہا جاوے یا بیٹا بھانجا' ماں اور بہن کے پیٹ ہونے کی حیثیت سے تو چاہیے کہ اس کو بھائی یا بھانجا کہا جاوے اور نطفہ اپنا ہونے کی حیثیت سے اس کو بیٹا کہا جاوے' اگر منکوحہ ماں مرجائے تو اس کے مال سے شوہر کی میراث حاصل کرلے۔ یا بیٹے کی اور اگر خود مرجائے۔ تو ماں بیوی ہونے کی میراث لے یا ماں ہونے کی معاذ اللہ! غرضیکہ بہت سی قباحتیں لازم ہیں۔ ذی رحم اور محرم کے کچھ خصوصیات اور بھی ہیں اپنی ملکیت میں آنے پر آزاد ہونا۔ عاجز اور فقیر کا نفقہ اپنے پر واجب ہونا اور ایسے صغیرین غلاموں کی بیع میں تفریق منع ہونا۔ نیز ان سے ہبہ واپس نہ کر سکنا۔ دیکھو پوری بحث روح البیان تفسیر والمحصنت من النساء میں۔

احمد یار خاں عفی عنہ

تقلید شخصی کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقلید شخصی کرنا کیسا ہے۔ غیر مقلد تقلید پر چند طرح اعتراض کرتے ہیں۔

نمبرا اولا" تو یہ کہ اگر تقلید ضروری ہوتی تو صحابہ کرام ضرور کرتے۔ حالانکہ کوئی کسی کا مقلد نہیں؟

نمبر۲ دوم قرآن حدیث کافی راہبر ہیں۔ پھر تقلید کی کیا ضرورت؟

نمبر۳ سوم یہ کہ قرآن نے تقلید کرنے والوں کی مذمت کی۔ **قالوا بل نتبع ما الفينا عليه اباءنا وان هذا صراطی مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله۔** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ مصطفیٰ علیہ السلام سیدھی راہ ہے اور دیگر راہ ٹیڑھے۔ نیز کہتے ہیں۔

دین حق را چار مذہب ساختند — فتنہ در دین نبی انداختند

از گوجرہ

ان دلائل کے جوابات مع دلائل اور بہتر ہو کر قرآن و حدیث سے ہی دیئے جاوئیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس قسم کے شبہات کے جوابات کے لئے چند امور ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ پھر جواب آسان ہے۔ تقلید کسے کہتے ہیں۔ تقلید کتنی قسم کی ہے۔ کون سی تقلید ضروری ہے۔ کون سی ممنوع۔ تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں؟

نمبرا تقلید کی تعریف ہے کسی کے قول و فعل کی پیروی کرنا۔ یا کسی کے قول و فعل کو دلیل بنانا بغیر دلائل شرعیہ میں نظر کیے اور معنے ہیں گلے میں ہار ڈالنا۔ یہ بھی اطاعت پر دلالت کرتا ہے۔ شرح مختصر المنار میں ہے۔ **التقلید اتباع الرجل غیرہ فیما سمعہ یقول اوفی فعلہ علی زعم انہ محقق بلا نظر فی الدلیل۔** منقول از حاشیہ حسامی باب متابعنہ اصحاب رسول اللہ ﷺ صفحہ نمبر۸۶۔ اس تعریف سے اطاعت خدا و رسول نکل گئی۔ کیونکہ ان کے کلام اور افعال خود دلیل شرعی ہیں۔ اور تقلید میں قید ہے کہ نظر فی الدلیل نہ کرے۔ اسی لئے ہم حضور علیہ السلام کے امتی ہیں۔ مقلد نہیں، مقلد تو ائمہ مجتہدین کے ہیں۔

نمبر۲ تقلید دو قسم کی، تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو امور شرعیہ میں کسی کی اتباع کرنا ہے۔ غیر شرعی علاوہ امور شرعیہ کے دوسرے امور میں کسی کی پیروی کرنا جیسے مسائل طب میں بو علی سینا کی اتباع کریں۔ تقلید شرعی کی پھر دو صورتیں ہیں۔ مخالف اور غیر مخالف شریعت۔

نمبر۳ تقلید غیر شرعی جو مخالف شریعت نہ ہو وہ جائز ہے جیسے کہ صناعات اور طب میں کسی خاص یا عام متقدمین کی پیروی اور جو مخالف شریعت ہو وہ حرام ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ولا تتبعن سبیل الذین لا یعلمون۔** نیز فرماتا ہے۔ **ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا** نیز فرماتا ہے **وان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما۔** یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات اسی تقلید کے بارے میں آئیں۔ یہ ہی مراد اس آیت سے ہے جو وہابیہ نے پیش کی۔ کفار مقابل انبیاء اپنے آباء و اجداد کی تقلید مقدم رکھتے تھے۔ وہ یقیناً جرم اور کفر تھا۔ چنانچہ پوری آیت یہ ہے۔ **واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اباءنا او لوکان اباؤھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون** نیز فرمایا گیا۔ **واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا** رہی تقلید

شرعی اس کا قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم ہے فرماتا ہے **والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان۔** اتباع صحابہ ضروری ہوئی۔ نیز فرماتا ہے۔ **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔** یہاں اولی الامر سے مراد مجتہدین ہیں۔ نہ فقط سلاطین۔ کیونکہ اس کا عطف الرسول پر ہے اور معطوف۔ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ نبی کی تابعداری قول و فعل ہر طرح واجب ہے مگر سلطان کی اطاعت ہر طرح واجب نہیں۔ **لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق** تو لامحالہ تقلید شرعی مراد ہے۔ نیز دارمی باب الاقتدا بالعلماء میں ہے۔ **اخبرنا یعلی قال ثنا عبد الملک عن عطاء اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم قالوا اولو العلم والفقہ۔** نیز قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔** خازن میں ہے۔ **فاسئلوا المومنین العالمین من اھل القرآن۔** درمنثور میں اسی آیت کے تحت ہے۔ **اخرج ابن مردویہ عن انس انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الرجل یصلی ویصوم ویحج و یغزو وانہ لمنافق قیل یا رسول اللہ بما ذادخل علیہ النفاق قال لطعنہ علی امامہ وامامہ من قال اللہ فی کتاب فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔** جماعت مجتہدین کا ذکر کیجئے۔ **ولو ردوہ الی الرسول والی اؤلی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔** نیز فرماتا ہے۔ **واتبع سبیل من اناب الی** مسلم جلد اول صفحہ نمبر۵۴۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ والرسولہ والکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم۔** امام نووی فرماتے ہیں۔ **ان من نصیحتھم قبول ماردوہ وتقلیدھم فی الاحکام۔**

نمبر۴ دلائل شرعیہ مجتہدین کے لئے چار ہیں۔ قرآن کریم۔ سنت رسول اللہ ﷺ اجماع امت۔ قیاس مجتہد۔ ان سب کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے۔

قرآن و حدیث و اجماع امت تو مستقل دلیل ہیں اور قیاس ان سے مستنبط اور ان کے احکام کا مظہر ہے۔ قرآنی فرقہ کا صرف قرآن کو دلیل ماننا اس آیت سے ہے۔ کہ **ان الحکم الا للّٰہ** اور **فبای حدیث بعدہ یومنون**۔ مگر یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ**۔ نیز فرماتا ہے۔ **واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** نیز فرماتا ہے۔ **فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم** جن سے معلوم ہوا کہ اطاعت پیغمبر بھی ضروری اور لازم ہے۔ **ان الحکم الا اللّٰہ** میں حکم حقیقی مراد ہے جیسے کہ **لہ ما فی السموت وما فی الارض**۔ میں ملک حقیقی مراد ہے۔ کہ دوسرے بھی مالک مجازی ہیں۔ اسی طرح **فبای حدیث** میں احادیث کفار جو مقابل قرآن ہیں مراد ہیں نہ کہ حدیث مصطفیٰ ﷺ۔ اسی طرح وہابی غیر مقلد صرف قرآن و حدیث کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔ اجماع اور قیاس سے منکر ہیں۔ یہ بھی باطل ہے۔ اجماع کے متعلق قرآن فرماتا ہے۔ **ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا** نیز حدیث پاک میں آتا ہے۔ **اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار**۔ نیز حدیث میں ہے۔ **ماراہ المومنون حسنا فھو عند اللّٰہ حسن**۔ مشکوۃ' نیز خلافت صدیقی و فاروقی اجماع امت سے ثابت ہوئی اب جو ان کی خلافت کا منکر ہے کافر ہے۔ حالانکہ ان خلافتوں پر کوئی صریح آیت یا حدیث متواتر نہیں آئی۔ نیز سرکار فرماتے ہیں کہ جماعت مسلمین کو پکڑے رہو۔ بھیڑیا گلے سے علیحدہ بکری کو کھاتا ہے۔ وہابی قیاس کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ قیاس ظنی چیز ہے اور ظن کو قرآن میں گناہ کہا گیا ہے۔ کہ **یایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم**۔ نیز قرآن و حدیث میں کیا چیز نہیں جو قیاس کی ضرورت پڑی۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار ۔ مت مان کسی کا قول و کردار

یہ بھی باطل محض ہے۔ قیاس کا حکم قرآن میں دیا گیا۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام نے قیاس فرمائے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے۔ **فاعتبروا یاولی الابصار**۔ کفار کے احوال سن کر اپنے کو قیاس کرنا کہ اگر ہم بھی ان کی طرح ہوئے تو ہمارے بھی یہی حال ہوں گے۔ قیاس ہے بخاری میں ایک باب ہے **باب من شبه اصلا معلوماً باصل مبین قدبین اللہ حکمها لیفهم السائل**۔ اسی میں نقل کیا۔ **ان امراۃ جاءت الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقالت ان امی نذرت ان تحج فماتت افاحج عنها قال نعم حجی عنها ارایت لو کان علی امک دین اکنت تقضیه قالت نعم قال اقضوا الذین له فان اللہ احق بالقضاء**۔ ابوداؤد جلد دوم صفحہ نمبر ۱۰۱ اور ترمذی و دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھیجا۔ تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے معاذ رضی اللہ عنہ نے آخر میں فرمایا۔ **قال اجتهد برائی فلا الوقال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وافق رسول رسوله مما یرضی به رسول اللہ**۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قیاس فرما کر اس عورت کو مہر مثل دلوایا جو بغیر مہر نکاح میں آئی تھی اور شوہر مر گیا تھا۔ دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ نمبر ۸۸۔

نمبر ۲ جس ظن کی قرآن کریم میں برائی آئی ہے۔ وہ بمعنی بدگمانی کرنا ہے مسلمان پر۔ اس لئے آگے ذکر ہے۔ **لا یغتب بعضکم بعضا**۔ نیز قرآن نے بعض ظن کو برا نہ کہا۔ بلکہ **بعض الظن اثم** فرمایا۔ بے شک وہ ظن برا ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

نمبر ۳ قرآن و حدیث میں ہر چیز ہے۔ مگر اس سے نکالنے کے لئے قیاس کی ضرورت ہے۔ سمندر میں موتی ہے کتب طب میں طبی نسخے ہیں۔ مگر نکالنے کے لئے

غوطہ خور اور طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح قیاس کی ضرورت ہے۔
یہی تو چکڑالوی کہتا ہے۔ کہ قرآن میں سب ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ **ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔** جیسے قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت ہے۔ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت۔ اگر قیاس و اجماع معتبر نہ ہوں تو عورت سے اغلام کرنا کی حرمت مزنیہ کی ماں کی حرمت کہاں سے ثابت ہو گی۔ ہزاروں مسائل قیاسیہ ہیں۔ جیسے کہ ریل میں نماز وغیرہ سب کا راستہ بند ہو جائے گا۔ جب یہ چاروں باتیں حل ہو گئیں تو جواب بالکل واضح ہے۔

نمبر۱ صحابہ کرام کو تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ توفیض صحبت مصطفیٰ علیہ السلام کی وجہ سے مخلوق کے امام اور متبوع اور مقلد ہیں۔ تقلید کی ضرورت ہم جیسے ناقص علم والوں کو ہے نہ کہ مجتہدین کو۔ حدیث میں ہے۔ **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** نیز فرمایا گیا کہ **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔** یہ تو ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے ہم تو کسی کے امتی نہیں کیونکہ ہمارے نبی کسی کے امتی نہیں۔ تو کہا جائے گا کہ بے وقوف غیر نبی امتی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام تو نبی الانبیاء ہیں۔ اسی طرح غیر مجتہد مقلد ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو مجتہد اور امام ہیں۔

نمبر۲ قرآن و حدیث بے شک کافی ہیں۔ مگر جب ان سے استنباط مسائل کی طاقت ہو۔ قرآن حفظ کے لئے آسان ہے نہ کہ اجتہاد کے لئے۔ **ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر** میں حفظ ہی مراد ہے۔

نمبر۳ کا جواب معلوم ہو گیا۔

نمبر۴ چوتھا سوال یہ دھوکہ ہے۔ یہ چار راستے حضور علیہ السلام کے راستہ سے علیحدہ نہیں۔ بلکہ ایک جھیل سے نکلے ہوئے چار دریا ہیں ۔

چار رسل فرشتہ چار چار کتب ہیں دین چار ۔ سلسلے دو نو چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب خاک و باد سب کا انہی سے
ہے
ثبات ☆ چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

ورنہ پھر تو غیر مقلد بھی ایک پانچواں سوار علیحدہ فرقہ ہے ان کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی سب بیدین ہوئیں ۔

مسجد دو خشت علیحدہ ساختنند ☆ فتنہ در دیں نبی انداجتند

لطیفہ

وہابیہ زمانہ ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ مقلد کہتے ہیں کہ چاروں مذہب حق ہیں ''اولا'' تو یہ ممکن نہیں امام اعظم علیہ الرحمتہ کے نزدیک امام کے پیچھے قراۃ مکردہ تحریمی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمتہ کے نزدیک واجب یہ کیسے ممکن ہے کہ قراۃ خلف الامام واجب بھی ہو مکروہ تحریمی بھی' ثانیا'' یہ مان بھی لیا جائے۔ تو پھر امام کی پیروی چاہیے۔ یعنی کسی مسئلہ میں حنفی کی اور کسی میں شافعی مالکی وغیرہ کی۔ یہ بھی محض دھوکہ ہے۔ چاروں مذہب کے حق ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ سب مطابق واقعہ ہیں۔ یہ تو غیر ممکن ہے۔ بلکہ حق کے یہ معنی ہیں کہ کسی کی گرفت عند اللہ نہیں۔ مجتہد اگر غلطی کرے تب بھی ثواب پاتا ہے۔ ان چاروں میں سے جو کوئی مطابق واقعہ نہ ہو عند اللہ مغفور ہے۔ حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قتال واقعہ ہوا۔ اسی طرح صدیقتہ الکبریٰ اور مولیٰ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جنگ ہوئی۔ کیا معاذ اللہ ان میں سے کسی کو باطل پر یا فسق پر مانا جا سکتا ہے۔ **الصحابۃ کلھم عدول** بلکہ دونوں فریقوں کو حق پر مانا جائے گا۔ اسی معنی سے کہ کوئی بھی معذب نہیں۔ کیونکہ خطا اجتہادی ہے اسی طرح صحابہ کرام کے اختلاف جس کے بارے میں کہا گیا **بایھم اقتدیتم اھتدیتم**۔ نیز

جنگل میں قبلہ کی خبر نہ ہوئی۔ تحری کر کے چار رکعت چار سمتوں میں پڑھی۔ چاروں رکعتیں ہو گئیں۔ اگرچہ قبلہ ایک ہی طرف ہے مگر خطا اجتہادی معاف ہے۔ رہا یہ قول کہ ایک کی تقلید کیوں کرتے ہیں۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔ اولاً" یہ کہ مسلم نو لکشوری جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ میں روایت ہے کہ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم اویفرق جماعتکم فاقتلوہ** اس میں مراد محض دنیاوی احکام نہیں۔ بلکہ دینی احکام بھی ہیں اور یہ مجتہدین بھی ہیں۔ کیونکہ **لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**۔ خود مسلم نے کتاب الامارات میں' **باب وجوب طاعة الامراء فی عور معصیة وتحریمها فی معصیة** منعقد کیا۔ بہر حال اس حدیث سے ثابت ہے کہ ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ افضل و اعلم کے ہوتے مفضول کی تقلید جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔ **من تولی امر المعلمین شیئا فاستعمل علیهم رجلا ویعلم ان منهم من هو اولی بذالک واعلم منه بکتاب الله وسنة رسوله فقه خان الله ورسوله وجماعة المسلمین** فتح القدیر وغیرہ مسلم جلد اول صفحہ نمبر ۵۴ **قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدین النصیحة قلنا لمن قال الله ولرسوله ولکتابه ولائمة المسلمین وعامتهم**۔ اس جگہ نووی میں ہے۔ **ان من نصیحتهم قبول ماردواه وتقلیدهم فی الاحکام**۔ بخاری میں ہے۔ **اذا اسند الامرالی غیر اهله فانتظر الساعة** سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ **لا تسئلونی مادام هذا الحبر فیکم**۔ ہدایہ جلد اول صفحہ نمبر ۲۸ جس کی ہم اب تقلید کر رہے ہیں اس کو افضل سمجھ کر کر رہے ہیں تو دوسرے کا مسئلہ لیا وہ کیوں؟

تقلید کا حکم تحری کا سا ہے کہ ایک تحری کسی دلیل پر مبنی ہو۔ تو جب تک تحری یا دلیل نہ بدلے اس کو چھوڑنا جائز نہیں۔ اگر کوئی جنگل میں ہوں جہاں قبلہ مشتبہ ہو اسی نیت سے نماز پڑھے کہ چار رکعتیں چار طرف پڑھوں گا۔ نماز نہ ہوگی۔ نیز ایسا شخص تتبع

ہوا ہے۔ کہ جس میں اپنی آسانی دیکھتا ہے اسی کی پیروی کرتا ہے۔ نیز اس میں تلفیق لازم آتی ہے۔ جس کی تفصیل شامی میں ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

نبی کریم کے چار یار کے مراتب کا بیان

فتویٰ نمبر ۵۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا عقیدہ ہے کہ بعد نبی کے حضرت علی امیر المومنین کی شان سب خلقت سے زیادہ ہے اور خصوصاً اصحاب ثلاثہ سے۔ میں بارہ اماموں کو امام معصومین مانتا ہوں۔ ان تمام کی شان بھی اصحاب ثلثہ سے زیادہ سمجھتا ہوں اور ان کی عزت کرتا ہوں۔ مگر ان کو امام حق نہیں جانتا۔ اور نہ ہی بارہ امام معصومین کے برابر۔ کیا میں اہل سنت والجماعت ہو سکتا ہوں۔ بینوا تجروا۔

الجواب

جس کا یہ عقیدہ ہو وہ مرتد کافر اور اسلام سے خارج ہے پکا تبرائی رافضی ہے اور یہ جو کہتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی شان بھی بہت زیادہ سمجھتا ہوں محض اس کا تقیہ ہے۔ جب ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو حق نہیں سمجھتا۔ تو ان کو معاذ اللہ خائن اور غاصب مانتا ہے۔ کیا خائن اور غاصب آدمی شان دار ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ کلمات صرف اہل اسلام کو پھنسانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق کی خلافت کو تسلیم نہ کرنے والا کافر مطلق ہے کیونکہ ان کی خلافت اجماعی قطعی ہے۔ حضرات اہل بیت عظام و تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو تسلیم کیا۔ اگر ان خلافتوں میں ذرہ برابر باطل کا شائبہ بھی ہوتا تو ذوالفقار حیدری اس طرح میان سے نکل آتی جس طرح کہ

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں نکلی اور دست حسین ان کی بیعت سے علیحدہ رہتے۔ جس طرح کہ یزید پلید کی بیعت سے۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تقیہ کاالزام لگانااس ذات کریم کے ساتھ انتہادرجہ کی دشمنی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ تقیہ مذکورہ یا تو بزدل کرے گا یا محض منافق۔ میدان کربلا میں باوجوداس قدردشواریوں کے حضرت امام مظلوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقیہ نہ فرمانااس عقیدہ کی جڑ کاٹتا ہے۔ نیز سوائے انبیاء کرام اور ملائکہ کے کسی کو معصوم ماننا بھی گمراہی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔** اس سے ثابت ہے کہ حضرات اہل بیت معصوم نہیں۔ مغفور نہیں۔ معصوم تووہ جس سے کوئی گناہ سرزدہی نہ ہوسکے۔ اگران میں کوئی خطا تھی ہی نہیں تو رجس کو دور کرنے کے کیا معنی؟ دوروہ چیز کی جاتی ہے جو موجود ہو اور اگر یہ آیت عصمت ثابت کرتی ہے تو ازواج مطہرات بھی معصوم ہونی چاہئیں۔ کہ وہ اہل بیت سکونت ہیں اوراس آیت میں نیز اصحاب بدر کے بارے میں فرمایا گیا۔ **ویذھب عنکم رجس الشیطان۔** یہاں بھی پلیدی دفع کرنے کی خبردی گئی ہے۔ لہٰذا ان کو معصوم ماننالازم آئے گا۔ غرضیکہ یہ عقیدہ بھی باطل محض ہے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات ابوبکرو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ماننا گمراہی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت صدیق کو اپنا جانشین یعنی امام نماز مقرر فرمایاکہ جس جگہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہوں۔ وہاں کسی کو امامت کاحق نہیں۔ ظاہر ہے کہ امام افضل کو بنایا جاتا ہے جس سے افضلیت صدیق بخوبی واضح ہوئی۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۵۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخالفین کہتے ہیں کہ غائبانہ حالات میں یا مصیبت اور تکلیف کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو امداد کے لئے پکارنا شرک ہے اور تم لوگ اپنے پیر کو پکارتے ہو۔ لہٰذا مشرک ہو۔ آیات یہ پیش کرتا ہے۔ وادعوہ مخلصین لہ الدین۔ ولا تدع من دون اللّٰہ۔ اغیر اللّٰہ تدعون۔ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب

مصیبت و تکلیف کے وقت اولیاء کرام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان سے مدد چاہنا شرعاً جائز ہے۔ ان کی مدد درحقیقت خدائے قدوس کی ہی مدد ہے۔ کیونکہ یہ حضرات عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ آیات مذکورہ میں مخالفین نے دھوکا دیا۔ ان آیات میں لا تدعوا بمعنی لا تعبدوا ہے۔ اسی پر مفسرین کا اتفاق ہے۔ یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور کوئی مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ اگر کسی کو پکارنا شرک ہے تو نماز میں التحیات میں السلام علیک ایھا النبی۔ کیوں پڑھا جاتا ہے۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو نماز حاجت کے بعد اس دعا کی تعلیم فرمائی۔ یا رسول اللّٰہ انی توجھت بک الی ربک فی حاجتی ھذاہ لتقضی لی (ابن ماجہ) تمام صحابہ کرام حضور علیہ السلام کو پکارا کرتے تھے۔ نیز مولانا جامی فرماتے ہیں۔ ترحم یا رسول اللہ ترحم۔ امام ابو صیری فرماتے ہیں ۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ ۔ سواک عند حلول الحادث العمم

خود مخالفین کے سردار مولوی قاسم صاحب نے لکھا ہے۔

مدد کرائے کرم احمدی کہ تیرے سوا ☆ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

نیز اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہے۔ تو ماں باپ بھائی اولاد نوکر چاکر زندہ مردہ سب ہی کو پکارنا شرک ہو گا کیونکہ یہ سب ہی غیر خدا ہیں۔ خدائے پاک فرماتا ہے۔ یایھا الذین امنوا۔ یایھا الناس یایھا النبی یاعیسیٰ یاموسیٰ۔ وغیرہ تو خدا پر کیا حکم لگے گا۔ پھر ہر آدمی اپنے نوکر چاکر ماں باپ کو پکارتا ہی ہے۔ رہا غیر خدا سے مدد مانگنا تو خود خدا فرماتا ہے۔ اعینونی بقوۃ فرماتا ہے ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم فرماتا ہے وتعاونوا علی البر والتقویٰ فرماتا ہے۔ یایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ۔ ان تمام میں غیر خدا سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔ یا اس کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔ اغناھم اللّٰہ ورسولہ من فضلہ ولو انھم رضوا ما اتاھم اللّٰہ ورسولہ فرماتا ہے۔ انعم اللّٰہ علیہ وانعمت علیہ۔ فرماتا ہے۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اللّٰہ معطی وانا قاسم۔ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے عرض کی اسئلک مرافقتک فی الجنۃ دیکھو مشکوۃ باب السجود۔ نیز فرماتے ہیں۔ واوتیت مفاتیح خزائن الارض۔ غرضیکہ آیات و احادیث میں اختیارات مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا ثبوت ہے۔ صاحب اختیار سے مانگنا برا نہیں لہٰذا مسلمانوں کو اس بنا پر مشرک کہنا سخت بے دینی ہے۔ اس کے لئے فقیر کی کتاب جاء الحق کا بغور مطالعہ کرو۔ واللّٰہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مرزائی اور مسلمان جج کے فسخ کیے ہوئے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی عبد الرحیم کا نکاح مسماۃ رابعہ بی بی

سے ہوا۔ مسماۃ مذکور گیارہ سال تک اس شوہر کے نکاح میں رہی۔ ایک لڑکی بھی اس سے پیدا ہوئی پھر کچھ ناچاقی ہو گئی اور مسماۃ کے والد مستری فضل الٰہی نے درخواست فسخ نکاح کچہری میں دے کر نکاح فسخ کرالیا۔ حافظ محمد عالم و غیاث شاہ صاحبان نے فتویٰ دے دیا کہ اگر حاکم جج مسلمان تھا تو نکاح اول فسخ ہو گیا۔ لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ جج مسلمان تھا۔ لہٰذا بعد عدت رابعہ کا دوسرا نکاح کر دیا گیا۔ جس نکاح کو دس ماہ ہو چکے اب بعد میں معلوم ہوا کہ جج مرزائی تھا۔ اب وہ علماء یہی کہتے ہیں کہ چونکہ جج مسلمان نہیں تھا۔ اس لئے نکاح اول فسخ نہیں ہوا تھا۔ اور یہ نکاح ثانی درست نہیں ہوا۔ لہٰذا گزارش ہے کہ از روئے شریعت فرمایا جاوے کہ ان نکاح کنندگان اور جھوٹی قسم کھانے والوں کا کیا حکم ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ میں مسماۃ رابعہ بی بی کا نکاح ثانی باطل ہے اور اس کا نکاح پہلا بدستور قائم ہے۔ تاوقتیکہ پہلا شوہر طلاق نہ دے اس کا دوسرا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ اور اس دوسرے شوہر کے پاس رابعہ کا رہنا سہنا سب ناجائز ہے۔ نیز حافظ محمد عالم اور مولوی عنایت شاہ صاحبان کا یہ فتویٰ محض غلط ہے۔ ان ہر دو صاحبان کو لازم ہے۔ کہ بغیر علم تام فتویٰ نہ دیا کریں اس لئے کہ جن بعض خاص صورتوں میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے اس میں قاضی اسلام کا فیصلہ ضروری ہے۔ خصوصاً جبکہ دوسرے مذہب شافعی وغیرہ پر عمل کیا ہو۔ وہاں تو اس کی اشد ضرورت ہے اور موجودہ زمانہ کے حکومت انگلشیہ کے جج خواہ مسلمان ہوں یا کافر، مرزائی وغیرہ مرتد ہوں یا کوئی اور قاضی اسلام نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان کو ان اسلامی فیصلوں کا شرعاً حق حاصل ہے۔ جن میں قضائے قاضی ضروری ہے۔ ان ہر دو مفتیان نے یہ سمجھا ہے کہ جو بھی حاکم جج مسلمان ہو وہ قاضی ہے۔ یہ درست نہیں شریعت میں قاضی وہ کہلاتا ہے کہ جو مسلمانوں میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ

کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ عالمگیری کتاب آداب القاضی میں ہے۔ **وادب القاضی التزامه لما ندب اليه الشرع من بسط العدل ودفع الظلم وترک الميل والمحافظة على حدود الشرع والجرى على سنن السنة۔** اسی عالمگیری باب الجمعہ میں ہے۔ **والمصر فی ظاہر الروایة الموضع الذی فیه مفت وقاض یقیم الحدود ینفذ الاحکام۔** درمختار کتاب آداب القاضی میں ہے۔ **انه کل موضع له امیر و قاض یقدر علیٰ اقامة الحدود۔** اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ **افردا لضمیر لعوده الی القاضی لان ذالک وظیفة۔** درمختار کتاب آداب القاضی میں ہے۔ **ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً الا اذا کان یمنعه عن القضاء بالحق فیحرم ولو فقدوا ماوال بغلبة الکفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام الجمعة** اس کے تحت میں ہے۔ **لکن اذا ولی الکافر علیهم قاضیا ورضیه المسلمون صحت تولیة بلاشبهة** ان کے عبارات سے معلوم ہوا کہ قاضی وہ مسلمان شخص ہے۔ جس کو حدود شرعیہ جاری کرنے اور احکام شریعت نافذ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ مقرر کرنے والا خواہ سلطان اسلامی ہو یا کافر' بادشاہ یا عامتہ المسلمین۔ البتہ عامتہ المسلمین کا مقرر کیا ہوا قاضی شرعی سزائیں رجم و قطع ید وغیرہ نہیں جاری کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کو حکومت حاصل نہیں۔ صرف اقامت عیدین و جمعہ وغیرہ۔ وہ احکام جاری کر سکتا ہے۔ جن میں حکومت کی ضرورت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ جج وغیرہ حکام خواہ مسلمان ہوں یا کفار آیا اسلامی قانون جاری کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ یا انگریزی حکومت کے قوانین' بالکل ظاہر ہے کہ ان کا تقرر انگریزی حکومت کے قوانین جاری کرنے کے لئے ہے۔ جو بھی حاکم آئے گا ان ہی قوانین کے مطابق فیصلہ کرے گا جو تعزیرات ہند وغیرہ میں نمبروار لکھے ہیں۔ نہ وہ قوانین جو ہدایہ و شامی وغیرہ میں ہیں۔ اسی لئے ان کو تعزیرات ہند کا ازبریاد ہونا ازبس ضروری ہے اور اس کی سند ان کو لازم ہے۔ شامی و عالمگیری و

ھدایہ وغیرہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ اور نہ اس پر ان کی ملازمت موقوف۔ اور اگر کسی قانون اسلامی کو حکومت انگلشیہ نے منظور کر کے اپنا قانون بنایا ہے۔ تو اب جج صاحب اس لئے اس قانون کو جاری کریں گے۔ کہ یہ تعزیرات ہند کا جزء بن چکا۔ نہ اس لئے کہ یہ اسلامی قانون ہے۔ ورنہ دوسرے اسلامی قوانین رجم وغیرہ کیوں نہیں جاری کرتے۔ بہر حال یہ حکام قاضی اسلام نہیں۔ اور ان کو ان قوانین کے جاری کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ان کا اجراء قاضی اسلام پر موقوف ہے۔ جیسے کہ فسخ نکاح وغیرہ لہٰذا یہ نکاح ثانی بالکل باطل ہے اور اس کا گناہ جس طرح اس کے اولیاء پر ہے۔ اسی طرح ان ہر دو مولوی صاحبان پر بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

آٹھ رکعت اور بیس رکعت تراویح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بخاری شریف اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضور انور ﷺ آٹھ تراویح پڑھتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ کسی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ۔ **کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان** تو آپ نے جواب دیا۔ **ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ** تو سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعت پڑھی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے۔ بعونہ تعالیٰ

لولا" اس کے دلائل بیان کروں گا۔ پھر مخالفین کے جوابات بیس رکعت تراویح پڑھنے کے چار دلائل ہیں۔ ایک روایات اور تین عقلی اشارات۔ اولا" عقلی دلائل مختصر عرض کروں پھر روایات بیان کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

نمبر۱ تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ کے معنی ہیں راحت دینا تو تراویح میں چار رکعت پر جو کسی قدر بیٹھتے ہیں آرام کے لئے اس کو ترویحہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس نماز میں استراحت کئی بار ہوتی ہے۔ اس لئے نماز کا نام تراویح یعنی راحتوں کا مجموعہ ہوا تو اگر تراویح فقط آٹھ رکعت ہوتیں تو ان کے درمیان صرف ایک ترویحہ ہوتا۔ اس کا نام تراویح نہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ تراویح جمع ہے اور جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے۔ ماننا پڑے گا کہ تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ ہے۔ گویا تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے۔

نمبر۲ قرآن پاک میں جو رکوع بنے ہیں اس کا مطلب کیا ہے۔ رکوع تو جھکنے کو کہتے ہیں پھر قرآن کے حصوں کو رکوع کیوں کہا گیا۔ یہ وجہ ہے کہ عہد عثمانی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے۔ اتنے حصے کا نام رکوع رکھ دیا گیا۔ یعنی اس قدر پڑھ کر رکوع ہوا۔ اور آپ روزانہ بیس رکعت تراویح میں بیس رکوع پڑھتے اور ستائیسویں رمضان کو قرآن ختم کردیتے کل رکوع ۵۴۰ ہوئے اب بھی قرآن میں رکوع ۵۵۸ ہیں۔ یعنی بعض رکعات میں چھوٹی سورتیں چار پڑھ لیں۔ اس سے دو رکوع فی رکعت ہوگئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں۔ تو قرآن کے رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیے تھے۔ قرآن کے رکوع کی تعداد نے بتادیا کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔

نمبر۳ مسلمان روزانہ بیس رکعت فرض و واجب ادا کرتا ہے یعنی ۱۷ فرائض اور تین وتر واجب اور رمضان میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعت کی تکمیل کے لئے اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمادیں آٹھ رکعات بیس رکعات کی تکمیل کیونکر کر سکتی ہیں۔ ہر

رکعت کی ایک رکعت تراویح تکمیل کرے گی۔ یہ تین دلائل عقلی ہیں۔ دلیل نقلی ملاحظہ ہو۔

نمبر۴ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اور صحابہ کرام کا اسی بیس رکعت پر اجماع رہا۔ موطا امام مالک میں ہے۔ **عن السائب ابن یزید انه قال کنا نقوم فی عهد عمر بعشرین رکعة والوتر رواه البیهقی فی المعرفة باسناد صحیح۔** ابن منیع میں ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ **فصلی بهم عشرین رکعة۔** بیہقی میں ہے۔ **عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة۔** ابن ابی شیبہ نے اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے عبداللہ ابن حمید نے اور بغوی نے روایت فرمایا۔ **عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر۔** بیہقی نے روایت فرمایا۔ **وعن شبرمة بن مشکل وکان من اصحاب علی انه کان یؤمهم فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعات۔** اسی بیہقی نے روایت فرمایا۔ **وعن ابی عبدالرحمٰن الاسلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی الناس عشرین رکعة وکان علی یوتربهم۔** اسی بیہقی میں باسناد صحیح نقل فرمایا۔ **عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر فی شهر رمضان بعشرین رکعة۔** ماخوذ از صحیح البخاری باب **کم یقرء فی التراویح۔** یہ تو صحابہ کرام کی روایات تھیں اب علمائے امت کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

ترمذی شریف مطبع مجتبائی صفحہ نمبر۹۹ **ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شهر رمضان** میں ہے۔ **واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن مبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا**

بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ فتح الملھم شرح مسلم جلد دوم صفحہ نمبر۲۹۱ میں ہے۔ روی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتھم یصلون عشرین رکعۃ وثلث رکعات الوتر وفی الباب اثار کثیرۃ اخرجھا ابن ابی شیبۃ وقال ابن قدامۃ وھذا کالاجماع۔ عمدۃ القاری شرح بخاری۔ جلد پنجم صفحہ نمبر۳۵۷ میں ہے۔ وروی الحارث ابن عبید الرحمٰن بن ابی ذیاب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عھد ابن عمر بثلث وعشرین رکعۃ قال ابن عبداللّٰہ ھذا المحمول علی ان الثلث للوتر۔ اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے۔ کان عبد اللّٰہ ابن مسعود یصلی لنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لمیل وقال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ۔ اسی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر۳۵۷ میں ہے۔ قال ابن عبد البر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔ ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فصار اجماعاً لماروی البیھقی باسناد صحیح انھم کانوا یقیمون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی۔ مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ نمبر۱۸۲ میں علامہ ابن حجر مکی بیتمی کا قول نقل فرمایا۔ اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۲۵۷ میں ہے۔ واما القائلون بہ من التابعین فشیر بن شکل وابن ابی ملیکۃ والحارث الھمد انی وعطاء ابن ابی ریاح وابو البختری وسعید ابن ابی الحسن البصری اخوالحسن وعبد الرحمٰن ابن ابی بکر وعمران العبدی۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین وفقہاء محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے نہ کسی نے آٹھ تراویح پڑھی نہ اس کا حکم دیا۔

دوسرا باب

مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

نمبرا مشکوۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک اور قیام اللیل مصنفہ امام مروزی سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ جس سے ثابت ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ہے اور باقی وتر۔

الجواب

اس کے چند جواب ہیں۔ اول تو یہ کہ حدیث مضطرب ہے اس لئے کہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں۔ موطا میں ان سے گیارہ کی روایت ہے۔ محمد ابن مروزی نے انہی محمد بن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی۔ اور محدث عبدالرزاق نے انہی محمد بن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر' ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے۔ اس کو اضطراب کہتے ہیں۔ لہذا یہ تمام روایات ناقابل قبول ہیں۔ اس سے استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح تو آٹھ رکعت ہوں اور وتر تین رکعت کہئے؟ آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں۔ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں۔ کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور نصف غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولا" آٹھ رکعت پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا' پھر آخر میں بیس پر قرار ہوا۔ اس لئے کہ مشکوۃ باب قیام شہر رمضان

میں اسی سائل کی پیش کردہ حدیث کے بعد ہے۔ **وکان القاری یقرء سورۃ البقر فی ثمان رکعات واذا قام بھا فی ثنتی عشرۃ رای الناس انہ قد خفف۔** اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔ **نعم ثبت العشرون فی زمن عمر وفی المؤطا روایۃ باحدی عشرۃ رکعۃ وجمیع بینھما بانہ وقع اولاثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث** چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی ہیں۔ ہمیشہ پڑھنا باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے نہ تو بیس رکعت پڑھیں اور نہ ہمیشہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کرنے کا حکم دیا۔ تو اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت رسول اللہ ﷺ پر تو غالباً" عمل ہو گیا۔ مگر سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا۔ اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو دونوں سنتوں پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ آٹھ میں بیس نہیں آتیں۔ اور حدیث میں ہے۔ **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔** یہاں واؤ جمع کے لے ہے تو جس طرح تم تراویح ہمیشہ پڑھتے ہو اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں امور حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں بلکہ سنت فاروقی ہیں۔ اس طرح بیس رکعت پڑھو جو کہ سنت فاروقی ہیں۔

(۲) بخاری میں ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ **ما کان رسول اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احد عشرۃ رکعۃ** جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ لہٰذا بیس رکعات پڑھنا آٹھ کی سنت کو مٹانے والی اور بدعت سیئہ ہے۔

جواب اس روایت میں تراویح کا ذکر نہیں بلکہ اس میں تہجد کا ذکر ہے اور اس جگہ تہجد ہی کی نماز مراد ہے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔ اولاً" یہ کہ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ

رمضان اور غیر رمضان میں کبھی بھی آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کیونکہ تراویح صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ترمذی نے اسی حدیث کے لئے باب باندھا ہے۔ **باب ماجاء فی وصف صلوٰة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل۔** معلوم ہوا کہ یہ صلواۃ اللیل ہے نہ کہ صلواۃ رمضان تیسرے یہ کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ **فقلت یارسول اللہ تنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی** جس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ یہ تمام رکعات سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھتے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ حضور نے ہم لوگوں کو تو حکم دیا ہے کہ وتر پڑھ کر سویا کرو اور خود سو کر وتر مع تہجد ادا فرماتے ہیں۔ تو جواب ملا کہ چونکہ ہم کو بیدار ہو جانے پر پورا اعتماد ہے اس لئے یہ عمل ہے اور جس کو بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور ظاہر ہے کہ تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سو کر اٹھ کر پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۴۰۰ میں حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ "تحقیق آنست کہ صلواۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد اوبود یازدہ رکعت کہ دائم در تہجدے گزارد۔ چنانچہ معلوم می گردد۔"

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آٹھ رکعت پڑھنا سنت رسول ﷺ تھی اور بیس پڑھنا بدعت سیئہ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات کیوں اختیار فرمائیں۔ اور ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و دیگر صحابہ نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ معاذ اللہ ان تمام صحابہ کرام پر تم کیا فتویٰ لگاؤ گے؟ نیز آج تمام مخالفین پورے ماہ رمضان تراویح باجماعت پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کا یہ فعل بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ حضور علیہ السلام نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔ تو صرف تین روز پڑھی ہیں۔ اب تین دن سے زیادتی کر کے تمام ماہ جماعت سے پڑھنا اس سنت کا ترک ہے اور

بدعت سیئہ ہے۔ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ اہل مدینہ کا عمل اکتالیس تراویح پر ہے اور اہل مکہ کا بیس پر اور بڑے بڑے آئمہ دین اکتالیس یا بیس پر عامل رہے تو بتاؤ کہ یہ لوگ بدعتی ہوئے یا نہیں؟ اور ان سے حدیث لینا کیسا ہے؟ کیونکہ بدعتی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی روایت غیر معتبر ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اہل مکہ و مدینہ میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت پر عامل نہیں۔ کوئی بیس پر ہے کوئی اکتالیس پر۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئیں۔ تو تین رکعت وتر ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ بنیں گے۔ پھر وتر تین کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا بعض حدیث پر ایمان ہے بعض پر نہیں۔ حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کسی حدیث سے نہیں ملتی۔ کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعات سے سکوت ہے اور جن احادیث میں گیارہ رکعات ہیں۔ وہاں مراد تہجد ہے۔ ایسی صاف حدیث پیش کرو جس میں آٹھ تراویح کی تصریح ہو۔ ایسی حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی۔ اور بیس رکعات کی تصریح متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

کسی امتی کو رشک انبیاء کہنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شعر کے بارے میں ۔

نائب مصطفیٰ دریں کشور ۔۔ رشک پیغمبراں معین الدین

کیا کسی امتی پر رشک پیغمبراں کا اطلاق درست ہے؟ ایک صاحب نے نعت خواں کو اس شعر پڑھنے سے روک دیا۔ ان کا یہ فعل کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ بالا شعر بالکل درست ہے اس سے روکنا جہالت ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** اس آیت میں اولیاء اللہ ہے انبیاء اللہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انبیائے کرام کو بھی خوف ہو گا۔ مگر اولیاء اللہ بے خوف۔ ہاں فرق یہ ہے کہ گنہگاروں کو اپنی جان کا خوف ہو گا۔ اور انبیائے کرام کو جہاں کا کہ ہمارے گنہگار امتی کہیں جہنم میں نہ پہنچ جائیں۔ رہے حضرات اولیاء انہیں نہ اپنا کھٹکا نہ دوسروں کا خوف۔ کیونکہ یہ اپنے متوسلین کو بارگاہ نبوت تک پہنچا کر بے خوف و مطمئن ہو چکے۔ ان کے اس چین و آرام کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام ان پر غبطہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ فقیر بے نوا کی آزادانہ زندگی پر بادشاہ غبط کرے۔ اس غبطہ سے فقیر بادشاہ سے بڑھ نہیں گیا۔ فقیر تو فقیر ہی ہے۔ اور بادشاہ بادشاہ۔ مگر غبطہ درست ہو گیا۔ اس طرح اولیاء اللہ معاذ اللہ نہ تو نبی کے برابر ہو گئے نہ بڑھ گئے۔ مگر غبطہ درست ہو گیا اور غبطہ ہی کا ترجمہ ہے رشک اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جو ابوداؤد اور بیہقی شعب الایمان اور شرح سنہ میں ہے۔ **ان من عباد اللّٰہ لا ناساماھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء۔** پھر حضور علیہ السلام نے ہی وجہ ارشاد فرمائی **لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس وقرء ھذا الایۃ الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** مشکوۃ کتاب الادب باب الحب فی اللہ) ترمذی شریف ابواب الزھد **باب الحب فی اللّٰہ۔** میں حدیث قدسی نقل فرمائی **قال اللّٰہ عزوجل المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون والشھداء** غرضیکہ یہ شعر نہایت صحیح ہے۔ اس کا مضمون قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کی زیادہ تفصیل ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

حاملہ گائے کی قربانی کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے حاملہ کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے خواہ قربانی میں ذبح کرے یا کسی اور موقعہ پر۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ماں کا ذبح اس کے بچہ کا ذبحہ نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں گویا بچہ کو ضائع کرنا ہے مگر صاحبین کے نزدیک چونکہ ماں کا ذبح ہے اس صورت میں بچہ کی بربادی نہیں لہٰذا بلا کراہت جائز ہے۔ غرضیکہ بچہ میں جان پڑ جانے سے پہلے تو حاملہ جانور کا ذبح سب کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ مگر جان پڑ جانے کے بعد امام صاحب کے نزدیک بالکراہت جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بلا کراہت جائز یہ بھی خیال رہے کہ اس کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے جیسے کہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا قربانی ہو جائے گی۔ یہ بھی خیال رہے کہ امام صاحب کے نزدیک قریب ولادت جانور کا ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ گوشت بلا کراہت جائز ہے۔ عالمگیری باب الذبائح میں ہے۔ **شاة اوبقرة اشرفت على الولادة قالوا يكره ذبحها لان فيه تضييع الولد وهذا قول ابى يحنيفةً لان عنده جنين لا يتزكى بزكٰوة الام كذا فى فتاوى قاضى خان۔** خیال رہے کہ یہ مسئلہ عالمگیری نے فتاوی قاضی خاں سے لیا اور قاضی خاں قول ضعیف میں **قالوا** فرماتے ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

تحریر طلاق کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو یہ تحریر لکھ کر بھیجی کہ میں نے فاطمہ بی بی کو طلاق دے دی۔ نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(از گجرات)

الجواب

اگر شوہر نے بہ نیت طلاق یہ عبارت لکھی ہے تو طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ ورنہ نہیں کیونکہ جو طلاق بغیر القاب آداب ویسے ہی لکھ دی جاوے وہ نیت پر موقوف ہے عالمگیری باب کتابتہ الطلاق میں ہے۔ **وان کانت مسبینۃ لکن غیر مرسومۃ ان نوی الطلاق یقع والافلا** اور مرسومہ کی شرح عالمگیری میں اسی جگہ یوں فرمائی۔ **ونعنی بالمرسومۃ ان یکون مصدراً ومعنونا مثل ما یکتب الی الغائب۔** ہاں جو باقاعدہ القاب و آداب کے ساتھ طلاق لکھی جائے۔ وہ بہرحال پڑجائے گی نیت ہو یا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

والدہ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماں نے نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا۔ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی نکاح فسخ کر دیا۔ جس پر دو گواہ بھی بنا لئے نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔ اور اب یہ لڑکی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں نکاح ٹوٹ گیا کیونکہ باپ دادا کے سوا جو بھی نابالغ کا نکاح کرا دے۔ وہ نکاح بوقت بلوغ فسخ ہو سکتا ہے۔ عالمگیری باب الولی میں ہے۔ **فان زوجهما الاب والجد فلاخيار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غير الادب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ۔** مگر حکومت کا فیصلہ ضروری ہے۔ اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ **ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار العتق۔ واللّٰہ ورسولہ اعلم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۶۶

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حق تعالیٰ کو میاں کہہ سکتے ہیں۔ یا نہیں؟ ایک آدمی کہتا ہے کہ خدا کو میاں کہنے میں کچھ حرج نہیں۔ ہر طرح جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

از بنگلور

الجواب

اردو زبان میں اللہ تعالیٰ کو میاں نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اردو میں میاں مالک کو بھی کہتے ہیں اور شوہر کو بھی۔ شوہر کے معنی حق تعالیٰ کے شان کے خلاف ہیں۔ وہ نہ میاں ہے نہ بیوی۔ جس لفظ میں اچھے برے دونوں طرح کے معانی ہوں۔ اس کا استعمال حق تعالیٰ کے لئے نہیں کرنا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ایاما تدعوا فله الاسماء الحسنیٰ** جس سے معلوم ہوا کہ خدائے پاک کے نام خالص اچھے ہونے چاہئیں۔ قبیح معنی والے نام اس کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے۔ رب کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ نبی ﷺ کی بارگاہ میں لفظ راعنا بولنے سے روکا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے دو معنی ہیں ایک اچھے دوسرے برے فرمایا گیا۔ **یایها الذین امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا**۔ جب بارگاہ نبوی میں ایسے مشترک لفظ کا استعمال جائز نہیں جس میں قبیح معنی کا بھی احتمال ہو۔ تو بارگاہ الٰہی کیسی ارفع و اعلیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مسجد کے صحن میں غسل خانہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا صحن جس میں ہمیشہ نماز ہوتی رہتی ہے۔ باجماعت بھی اور بلا جماعت بھی۔ اس صحن میں غسل خانہ اور وضو کی جگہ بنا دینا جائز ہے یا ناجائز؟ بحوالہ کتاب بیان فرمایا جاوے۔

غلام رسول گجرات

الجواب

جو جگہ داخل مسجد بن چکی۔ اب وہ خارج مسجد نہیں ہو سکتی۔ نہ وہاں غسل خانہ بنے نہ وضوخانہ نہ مسجد کی دوکان۔ نہ امام یا مؤذن کا حجرہ۔ مسجدیت مکمل ہونے کے بعد یہ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس جگہ کا احترام فرض ہو چکا کہ نہ یہاں اجنبی شخص آ سکے۔ نہ حیض و نفاس والی عورت، مگر جب یہاں غسل وغیرہ بن جاوے گا۔ تو یہ احترام ناممکن ہوگا۔ مسجد کی حرمت قیامت تک باقی ہے۔ عالمگیری کتاب الوقف میں ہے۔ **قیم المسجد لا یجوز ان یبنی حوانیت فی حد المسحد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط حرمتہ وھذا لا یجوز۔** درمختار۔ باب الوقف میں ہے۔ **لوبنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصابح امالوتم المسجدیۃ ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذالک لم یصدق فاذا کان ھذا فی الوقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد۔** خلاصہ یہ ہوا کہ اس صحن مسجد میں خود واقف بھی غسل خانہ وغیرہ نہیں بنا سکتا۔ چہ جائیکہ دوسرے لوگ، اور اگر غسل خانہ وغیرہ بن بھی گیا ہو۔ تو اس کا گرا دینا واجب ہے۔ اسی جگہ ردالمحتار میں ہے۔ **وبھذا علم ایضا حرمۃ احداث الخلوٰت فی المساجد کالتی فی رواق المسجد الاموی۔ ولا سیما ما یترتب علی ذالک من تقذیر المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوہ۔ واللہ اعلم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر

فتویٰ نمبر ۶۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان حسب ذیل مسائل کے بارے میں۔

(۱) خاتم النبیین کے معنی اور تفسیر ختم اللہ کے معنی اور تفسیر۔

(۲) کیا الہام سچ ہے؟ اور کس شخص کا الہام مانا جاتا ہے؟

(۳) کیا مرزا صاحب نے کسی دوسرے استاد سے تعلیم حاصل کی یا اللہ کی رحمت سے تعلیم یافتہ ہی پیدا ہوئے ہیں؟

(۴) کیا کوئی نبی بعد نبوت یا قبل از موت کسی غیر مسلم بادشاہ کی حکومت میں رہا ہے؟ یا رہ سکتا ہے؟

(۵) انبیائے کرام کو معجزے کس قسم کے دیئے گئے۔ اور مرزا صاحب کو فی زمانہ کیسے معجزے ملنا چاہیے تھے؟

(۶) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ اگر زندہ ہیں تو کہاں پر ہیں۔ اگر وفات پا گئے ہیں تو مزار کہاں ہے؟ اگر آسمان پر گئے ہیں تو کیسے گئے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نمبرا خاتم ختم سے بنا ہے۔ ختم کے لغوی معنی مہر لگانا ہے۔ اسی لئے مہر کو خاتم کہا جاتا ہے چونکہ مہر بھی مضمون کے آخر میں لگتی ہے جس کے بعد کوئی مضمون نہیں لکھا جاتا۔ اور پارسلوں وغیرہ پر بند کرنے کے بعد مہر لگائی جاتی ہے۔ تا کہ اب نہ اس میں سے کچھ نکل سکے نہ داخل ہو سکے۔ اسی لئے عرف میں ختم تمام ہونے کو کہتے ہیں۔ خاتم

النبیین میں یہی عرفی معنی مراد ہیں۔ جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کرنا ہے۔ **صلوا علیه** مگر **اقیموا الصلوۃ** میں صلوۃ سے عرفی معنے یعنی نماز مراد لئے گئے ہیں۔ حضور انور ﷺ نے خاتم النبیین کی یہی تفسیر فرمائی کہ ارشاد فرمایا۔ **انا خاتم النبیین لا نبی بعدی** (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ جیسے لا الٰہ میں ہر سچے جھوٹے ظلی خدا کی نفی ہوگی۔ ایسے ہی لانبی میں اصلی ظلی بروزی مراتی مذاقی نبی کی نفی ہے کہ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں بن سکتا۔ ختم اللہ میں ختم لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی کہ اب ان میں ہدایت داخل نہیں ہوسکتی۔

نمبر۲ حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے لئے الہام برحق ہے بے شک اللہ کے پیارے بندوں کو الہام ربانی ہوتے ہیں۔ مگر الہام جب ہی قبول ہوگا۔ جبکہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف شرع ہے تو وہ وسوسہ شیطانی ہے نہ کہ الہام ربانی۔ یہ تو الہام کی کسوٹی ہے۔ کیونکہ شریعت کا برحق ہونا یقینی ہے۔ اور ہمارے خیالات کی حقانیت یقینی نہیں۔ نیز الہام یا خواب متقی پرہیزگار مسلمان کا زیادہ معتبر ہے۔ جتنا تقویٰ کامل ہوگا۔ اتنا ہی اس کا دل شیطانی اثر سے زیادہ محفوظ رہے گا۔

نمبر۳ مرزا صاحب آنجہانی سنا گیا ہے کہ مڈل پاس اور انٹرنس فیل تھے۔ وہ اولاً چنگی میں کلرک رہے۔ گزر اوقات مشکل تھی۔ دنیاوی ضروریات نے انہیں دعویٰ نبوت پر مجبور کیا۔ عربی میں کس کے شاگرد تھے۔ مجھے پورا پتہ نہیں۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ علوم عربیہ میں نہایت ناقابل تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مایہ ناز کتاب لکھی' خطبہ الہامیہ' اور اس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ ربانی عبارت ہے میری نہیں اور اس میں نہ کوئی غلطی ہے اور نہ اس کے مثل کوئی کلام ہو سکتا ہے۔ مگر قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تقریباً دو سو فاش غلطیاں نکالیں۔ اور ثابت فرمایا کہ مرزا جی نے عربی ادب کی کتابوں سے عبارتیں چرائیں ہیں۔ جو عبارتیں سبعہ معلقہ وغیرہ کی ہیں۔ وہ تو صحیح ہیں باقی سب غلط ہیں۔ اس کے لئے کتاب سیف چشتیائی مصنفہ پیر مہر علی

شاہ صاحب دیکھو۔

نمبر۴ کوئی پیغمبر کسی کافر بادشاہ کی رعایا اور غلام بن کر نہ رہا۔ یا تو نبی ایسی قوم میں آئے جس میں باقاعدہ سلطنت تھی ہی نہیں جیسے لوط علیہ السلام اور کسی کافر بادشاہ کے ملک میں پیدا ہوئے تو اولاً انہوں نے وہاں سے ہجرت کی اور پھر بادشاہ کا مقابلہ فرما کر اس سلطنت کو پاش پاش کر دیا۔ جیسے ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام۔ غرضیکہ کافر بادشاہ سے مقابلہ فرمایا ہے۔ ماتحتی کسی نے نہیں کی' سوائے ہمارے مرزا جی کے' ان کے الہام حکام وقت کی رضا کے ماتحت ہوتے رہے۔

نمبر۵ ہر پیغمبر کو خصوصیت سے ایسے معجزے ضرور ملے جس کا ان کے زمانہ میں زور تھا۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا عروج تھا۔ جالینوس موجود تھا۔ تو آپ کے مردہ زندہ کرنے اور کوڑھیوں کو اچھا کرنے کا معجزہ خصوصیت سے ملا اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ تو آپ کو عصا دیا گیا۔ ہمارے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں لوگوں کو کلام پر ناز تھا اور فصاحت اور بلاغت پر گھمنڈ تھا تو حضور کو قران کا معجزہ ملا۔ لہٰذا مرزا جی کے زمانہ میں چونکہ ایجادات اور سائنس کا زور تھا۔ ضروری تھا کہ انہیں اسی قسم کا ایسا معجزہ ملتا جو تمام ایجادات پر غالب رہتا۔

نمبر۶ عیسیٰ علیہ السلام اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ تشریف لے گئے۔ جس کا ثبوت قرآنی آیات اور صدہا حدیث نبویہ سے ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **بل رفعه الله اليه۔** اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے قرب خاص کی طرف اٹھالیا۔ جب رفع کا مفعول جسم ہوتا ہے تو اس میں مکانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ جیسے **ورفع ابويه على العرش** یا جیسے **يرفع ابراهيم القواعد من البيت** وغیرہ۔

نمبر۷ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر فرشتوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور فرشتوں کی طرح ذکر الٰہی ان کی غذا ہے۔ اب وہ ظاہری غذا سے بے نیاز ہیں۔ **کما فی الاحادیث۔**

نمبر۸ اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین۔
اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی صابر شاکر متقی پرہیزگار ہو جائے وہ نبی ہی ہو جائے گا۔ معنی ظاہر یہ ہیں کہ وہ قیامت میں نبیوں صدیقوں شہیدوں کے ساتھ اٹھے گا۔ ساتھ ہونا اور چیز ہے اور نبی بن جانا دوسری چیز' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ مع الصابرین۔ رب تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہیں۔ اس سے نہ تو اللہ صابر ہو جاتا ہے اور نہ صابر خدا بن جاوے۔ بلکہ رحمت الٰہی صابروں کے شامل حال ہوتی ہے۔

آپ فتنہ مرزائیت سے بچنے کے لئے کتاب پاکٹ بک محمدیہ کا مطالعہ کیا کریں۔ جو پاکٹ بک احمدیہ کے جواب میں لکھی گئی۔ نیز سیف چشتیائی اور شمس الہدایت کا مطالعہ کیا کریں۔ یہ کتب گولڑہ شریف سے ملیں گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے لئے ہماری تفسیر نعیمی تیسرے پارے کا مطالعہ کریں۔ اور مرزائیوں کی صحبت سے بچیں ۔

تاتوانی دور شو از یار بد - یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد برتن ہمی برجاں زند - یار بد بردین و برایماں زند

نکتہ :۔ مرزا صاحب کے صدہا الہام و پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ انہوں نے بڑے زور و شور سے دعویٰ کیا تھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح ہو گا۔ مگر کوشش کرتے کرتے تھک گئے اور محمدی بیگم نکاح میں نہ آئی' اعلان کیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اگر جھوٹے ہوں تو میری موجودگی میں وہ مریں گے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو ان کی موجودگی میں مروں گا۔ مرزا جی نے اعلان کیا تھا کہ سخت زلزلہ عنقریب آوے گا۔ اپنی امت کو شہر سے نکال کر جنگل میں ڈالا۔ ایک ماہ وہاں قیام کیا۔ مگر زلزلہ وغیرہ کچھ نہ آیا۔ اور پھر چپکے سے گھر آ بیٹھے۔ ایسے صدہا واقعات آپ کو پاکٹ بک محمدیہ میں ملیں گے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بیوہ کے عدت میں زنا سے حاملہ ہونے کا بیان

فتویٰ نمبر٦٩

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ عدت وفات میں زنا سے حاملہ ہوگئی جس کی وہ خود اقرار ہے تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ وضع حمل یا کچھ اور 'بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں اس کی عدت وہ چار ماہ دس دن ہے۔ جسے وہ گزار رہی ہے۔ اس حمل کی وضع کا اعتبار نہیں۔ وہ معتدہ طلاق کے لئے ہے۔ جو عورت عدت طلاق میں حاملہ ہو جاوے اس کی عدت وضع حمل ہے۔ عالمگیری کتاب العدۃ میں مطلقہ کے بارے میں ہے۔ **وعدۃ الحامل ان تضع حملها كذا فى الكافى سواء كانت حاملا وقت وجوب العدة او حبلت بعد وجوب العدة كذا فى فتاوى قاضى خان۔** مگر عدت وفات میں بعد وجوب عدت جو حمل قائم ہو۔ اس کا اعتبار نہیں۔ یہ ہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے اسی عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔ **ولو حدث الحمل فى العدة بعد الموت ذكر الكرخى انه يتعلق بانقضاء العدة والصحيح انه لا يتعلق۔ اما اذا حدث بعد موته فلا يتعلق بلا خلاف كذا فى العتابية۔** شامی باب العدۃ میں ہے۔ **واعلم ان المعتدة لو حملت فى عدتها ذكر الكرخى ان عدتها وضع الحمل ولم يفصل والذى ذكره لمحمد ان هذا فى عدة الطلاق اما فى عدة الوفات فلا تتغير بالحمل وهو الصحيح كذا فى البدائع** خلاصہ یہ ہے کہ اس عورت کی عدت وہ ہی چار ماہ دس دن ہے جسے گزار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے مگر دوسرے شوہر کو لازم ہے کہ وضع حمل سے پہلے اس سے صحبت نہ کرے۔ ہر حاملہ بالزنا کا یہی حکم ہے کہ اس سے نکاح درست ہے

ہے مگر صحبت منع۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

ابلیس کی بیوی اور اولاد کا بیان

فتویٰ نمبر ۷۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیطان کی اولاد ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اسکی بیوی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیطان کی اولاد نہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از یو۔ پی

الجواب

اس کے متعلق مجھے تین قول ملے۔ ایک یہ ہے کہ شیطان لاولد ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی قسم سے ہے اور فرشتے اولاد سے پاک ہیں۔ نیز اولاد بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے اور جو خود ہی قیامت تک زندہ رہے اسے نسل کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو چاند' تارے' سورج وغیرہ کے نسل نہیں' بعض علماء فرماتے ہیں کہ شیطان کے نسل ہے اور صاحب اولاد ہے۔ کیونکہ وہ جن کی قسم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **کان من الجن ففسق عن امر ربہ۔** اور جن وانس کے نسل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے نسل ہے بلکہ شیطان جنات کا باپ ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام انسان کے **کان ابا الجن۔** نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **افتتخذونہ و ذریتہ اولیاء من دونی** (سورہ کہف) اس آیت میں شیطان کے لئے ذریت ثابت کی گئی ہے۔ اور ذریت اولاد ہی تو ہوتی ہے۔ بلاوجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنے لینا درست نہیں۔ اسی آیت کے ماتحت

تفسیر جلالین میں ہے۔ **وابلیس هو ابو الجن فله ذریة ذکرت بعد والملئکة وذریة لهم۔** چونکہ نوع جنات کے لئے موت ہے۔ لہٰذا اس کی نسل بھی ضروری ہے۔ ابلیس کو شخصی طور پر دراز عمر دی گئی۔ اس کا لحاظ نہیں۔ انسان میں بھی خضر و ادریس علیہما السلام تاقیامت زندہ رہیں گے مگران کے اولاد ہوئی۔ غرضیکہ شیطان کے نسل اور اولاد ہے۔ پھران میں بعض حضرات فرماتے ہیں۔ کہ ابلیس کی بیوی ہے اسی سے اولاد ہے بعض فرماتے ہیں کہ نہیں' بلکہ اس کے ران میں نر کا عضو ہے اور دوسرے میں مادہ کا خود اپنے سے صحبت کرتا ہے اور خود ہی حاملہ ہو کر انڈے دیتا ہے۔ جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ شرح قصیدہ بردہ خرپوتی میں اس شعر۔

وخالف النفس والشیطن واعصهما۔۔ وان هما محضاک النصح فاتهم

کی شرح میں فرماتے ہیں۔ **فان قیل هل للشیطن نسل قال ابو المعین النسفی فی بحر الکلام قیل ان الشیطن یبیض ویخرج منها الولد وفی الخبران فی احد فخذیه فرجاً وفی الاخر ذکراً فیجا مع نفسه فیخرج منه الولد وهذه روایة شاذة وقیل یدخل ذنبه فی دبره فیخرج منه الولد وهذا غیر صحیح فالصحیح هو الاول۔** ثابت ہوا کہ شیطان کے اولاد ہے۔ تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں زیر آیت **افتتخذونه وذریته** سورہ کہف کی تفسیر میں ہے کہ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ابلیس کے چند قسم کی اولاد ہے۔ ایک قسم کا نام لاقس اور ولہان ہے۔ ان کا کام وضو اور نماز میں وسوسہ ڈالنا ہے ایک قسم کا نام ذرہ لقب زلنبو رہے۔ یہ بازاروں میں پھرتی رہتی ہے لوگوں سے جھوٹی خرید و فروخت کراتی ہے۔ ایک کا نام تبر ہے۔ وہ لوگوں سے میت پر نوحہ کراتی ہے۔ بال نچواتی ہے اور منہ پر تھپڑ لگواتی ہے ایک کا نام اعور ہے یہ زنا کراتی ہے۔ کہ مرد کے احلیل اور عورت کے فرج میں جوش پیدا کرتی ہے۔ ایک کا نام مطروس ہے۔ جو جھوٹی خبریں پھیلاتی ہے۔ ایک کا نام ورسم ہے۔ یہ اس شخص کے ساتھ گھر میں گھس جاتی ہے جو بغیر بسم اللہ پڑھے گھر میں داخل ہو۔ حدیث

پاک میں وارد ہوا کہ ایک قسم کا نام خنزب ہے۔ ایک قسم کا نام قرین ہے۔ جو ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی تفسیر صاوی میں اسی جگہ ہے۔ کہ کسی نے امام شعبی سے پوچھا کہ کیا ابلیس کی بیوی ہے؟ اگر ہے تو اس کا نام کیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ **ان ذالک عرس لم اشهده**۔ اس کی شادی میں مجھے شرکت کا موقعہ نہیں ملا۔ مجھے خبر نہیں کہ بیوی کا نام کیا ہے اسی جگہ فرماتے ہیں۔ **قال مجاهدان ابلیس ادخل فرجه فی فرج نفسه فباض خمس بیضات فهذه اصل ذریته وقیل ان الله خلق له فی فخذه الیمنی ذکرا وفی فخذه ایسری فرجًا فهو ینکح هذا بهذا فیخرج له کل یوم عشر بیضات یخرج من کل بیضة سبعون شیطانًا وشیطانة فهو یفرح ویطیر**۔ یعنی رب تعالیٰ نے اس کی داہنی ران میں نر کا عضو اور بائیں میں مادہ کا عضو پیدا فرمایا ہے۔ وہ خود ہی اپنے سے صحبت کرتا ہے۔ جس سے روزانہ دس انڈے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر انڈے سے ستر نر و مادہ شیاطین پیدا ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیطان کے اولاد ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے بیوی کوئی نہیں۔ وہ خود ہی نر ہے اور خود ہی مادہ۔ اللہ کی قدرت سے یہ بات بعید بھی نہیں ہے۔ انسانوں میں بعض خنثی مشکل ہوتے ہیں۔ جن کے عورت و مرد دونوں کے عضو ہوتے ہیں۔ دونوں سے پیشاب بھی آتا ہے۔ ہاں ان سے نسل نہیں چلتی۔ اس پر نہ مرد کے احکام جاری ہوتے ہیں نہ عورت کے۔ چنانچہ خنثی مشکل جماعت نماز میں مردوں سے پیچھے اور عورتوں سے آگے کھڑا ہو اور جب مر جاوے تو اسے کوئی غسل نہ دے بلکہ تیمم کرا کے نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے۔ رب تعالیٰ جب انسانوں میں ایسے لوگ پیدا فرما دیتا ہے۔ تو اگر شیطان میں یہ ہی ہو تو کیا بعید ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ دینی ضروریات میں سے نہیں۔ لہٰذا اس سے بحث نہ کی جائے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مسخ شدہ کی بیوی کا حکم

فتویٰ نمبر ۱ے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مرد کی صورت مسخ ہو جاوے اس کی بیوی کیا کرے آیا نکاح میں رہے گی یا نہیں اگر نہ رہے گی تو عدت گزارے گی یا نہیں۔ اگر گزارے گی تو عدت طلاق یا عدت وفات۔ بینوا توجروا۔

اسد الحق، جہلم

الجواب

مسخ کی کل تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان پتھر لکڑی وغیرہ بن جاوے جیسے اصاف و نائلہ کا حال ہوا۔ دوسرے یہ کہ کتا، گدھا، بندر وغیرہ ہو جاوے۔ جیسے میت والوں کا حال ہوا۔ تیسرے یہ کہ ممسوخ انسان ہی رہے۔ مگر اس کی شکل بگڑ جاوے۔ گورا تھا کالا ہو جاوے وغیرہ۔ آخری صورت میں نکاح برقرار رہے گا۔ اگر ممسوخ مومن ہو اور بد عملی کی وجہ سے شکل بگڑ گئی ہو۔ پہلی دونوں صورتوں میں نکاح جاتا رہے گا۔ پتھر ہو جانے کی صورت میں عورت عدت وفات گزارے گی۔ کیونکہ اس کا شوہر مر گیا۔ پتھر ہو کر بے جان ہو گیا قبر میں بھی انسان مٹی ہو جاتا ہے اور جانور بن جانے کی صورت میں اس کی عورت عدت طلاق یعنی تین حیض گزارے گی۔ کیونکہ جن وجوہ سے نکاح حرام ہوتا ہے اگر وہ وجوہ بعد نکاح پائی جائیں تو نکاح کو باطل کر دیں گی اور اس صورت میں عورت پر عدت طلاق واجب ہو گی۔ مثلاً مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ اگر کوئی اپنی ساس سے زنا کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور عدت طلاق گزارے گی۔ کیونکہ اب وہ مزنیہ کی بن گئی۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا۔ تو سمجھ لو کہ غیر جنس سے نکاح درست نہیں۔ انسان کا نکاح صرف انسان سے ہی ہو سکتا ہے۔ جن، پری، دیو، بھوت اور بکری

وغیرہ سے نہیں ہو سکتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا**۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں اور جن وغیرہ انسان کی ہم جنس نہیں۔ نیز فرماتا ہے۔ **فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع**۔ نساء عورت کو کہتے ہیں جن و حیوانات کی مادہ نساء نہیں کہلاتیں۔ اگر غیر سے نکاح جائز ہوتا تو آدم علیہ السلام کے لئے ان کی ہم جنس حوا نہ پیدا کی جاتی۔ بلکہ کسی جن مادہ سے ان کا نکاح کرا دیا جاتا۔ درمختار کتاب النکاح کے شروع میں ہے۔ **فخرج الذکر والخنثی المشکل والوثنیۃ والجنۃ وانسان الماء لاختلاف الجنس**۔ معلوم ہوا کہ مرد کا نکاح مرد یا خنثی مشکل یا جن یا دریائی انسان سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جن وغیرہ غیر جنس ہیں اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے۔ **لا یصح نکاح آدمی جنیۃ کعکسہ لاختلاف الجنس فکانوا کبقیۃ الحیوانات**۔ معلوم ہوا کہ جیسے انسان کا نکاح بکری کتے وغیرہ حیوانات سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جن سے بھی نہیں ہو سکتا۔ ردالمحتار میں ہے۔ **ولان الجن یتشکلون بصور شتی فقد یکون ذکرا یتشکل بشکل انثی**۔ یعنی جن سے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مختلف شکل اختیار کر کے آتے ہیں لہٰذا جس جن عورت سے نکاح کیا جائے اگر وہ مرد بن جائے تو نکاح کیسے باقی رہے گا بہرحال یہ واضح ہو گیا کہ جن سے انسان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت علی نے جناتنی سے نکاح کیا۔ محض باطل ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان کا نکاح بلقیس سے ہوا۔ صحیح یہ ہے کہ بلقیس انسان تھی نہ کہ جن۔ اور اگر جن بھی ہو تو شریعت سلیمانی میں شاید غیر جنس سے نکاح حلال ہو۔ جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن سے نکاح حلال تھا یا جیسے جنت میں حوروں سے نکاح ہو گا۔ **وزوجناھم بحور عین**۔ حالانکہ حوریں حضرت آدم کی اولاد نہیں۔ کیونکہ وہ آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کی پیدائش نور سے ہے۔ مگر چونکہ وہ عالم دوسرا ہے۔ وہاں کے احکام بھی جداگانہ۔ اس عالم کے احکام اس عالم پر جاری نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے جو

حضرات قیامت سے پہلے جنت میں گئے یا وہاں رہے وہ حوروں سے الگ رہے۔ حضرت آدم جنت میں تمام چیزیں استعمال فرماتے رہے۔ سوائے حوروں کے حضور علیہ السلام معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام اپنی حیات میں جنت میں تشریف لے گئے۔ مگر قبل قیامت حوروں سے بے تعلق رہے۔ بہرحال اسلام کا حکم یہ ہے کہ غیر جنس سے نکاح حرام ہے۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو چکا کہ غیر جنس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ تو جو کوئی بعد نکاح غیر جنس بن جاوے اس کا نکاح فسخ ہو جاوے گا۔ جیسا کہ ہمارے بیان کئے ہوئے قاعدے سے معلوم ہوا۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اگر شوہر یا عورت مسخ ہو کر انسان ہی رہے تو نکاح قائم ہے اگر مرد پتھر بن گیا۔ تو عورت عدت وفات گزارے گی۔ اگر جانور کی شکل میں تبدیل ہو گیا تو عدت طلاق۔ **ھذا ما عندی والعلم عند ربی فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسی واللہ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

سانسی کی نو مسلم بیوی کے اپنے اسی خاوند کے پاس ہونیکا حکم

فتویٰ نمبر ۲۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت سانسی مذہب رکھنے والی مسلمان ہو گئی اس کا شوہر سانسی ہی رہا اب اس کا شوہر اسے اپنے گھر بلاتا ہے آیا اس صورت میں عورت اس کے پاس جائے یا نہ جائے؟ میاں غلام محی الدین سفارش کرتے ہیں کہ بھیج دو۔ کیونکہ اس کا نکاح باقی ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں یہ نو مسلمہ عورت اپنے پہلے سانسی شوہر پر حرام ہو گئی اب جب

تک اس کا شوہر سانسی رہے۔ اس عورت کا اس کے پاس جانا اور اس سے وطی کرنا حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوا هن الى الكفار لاهن حل لهم ولا هم يحلون لهن۔** مسلمانوں پر فرض ہے کہ عورت کو اس کافر شوہر کے پاس ہرگز نہ جانے دیں۔ ہاں یہ عورت فی الحال دوسرا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ چاہیے کہ اس کے سانسی شوہر کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس سے کہا جائے کہ تو بھی مسلمان ہو جا اگر وہ مسلمان ہو جاوے۔ تب تو اسی کی ہی بیوی رہے گی اور اگر شوہر انکار کرے یا خاموش رہے تو حاکم سے فیصلہ کرا کر دوسرا نکاح کر لے۔ درمختار باب نکاح الکافر میں ہے۔ **واذا اسلم احد الزوجين عرض الاسلام على الاخر فان اسلم فبها والاباان ابى اوسكت فرق بينهما۔** اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔ **مالم يفرق القاضى فهى زوجته حتىٰ مات الزوج قبل ان تسلم امراته الكافرة وجب لها المهر۔** واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

صرف تہبند سے نماز پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں:۔

بعض لوگ باوجود کپڑے ہونے کے صرف تہبند باندھ کر بغیر کرتہ پہنے ننگے بدن نماز پڑھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کراہت سے یا بلا کراہت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صرف تہبند باندھ کر کھلے بدن نماز پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے حضور نبی کریم

ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ چنانچہ مسلم، بخاری کتاب الصلوۃ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا **لا یصلی الرجل فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ منہ شئی**۔ یعنی کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اسی لئے امام احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک فرض نماز میں کندھا ڈھکنا فرض ہے اور ہمارے احناف کے نزدیک سنت، چنانچہ درمختار باب صفتہ الصلوۃ میں ہے۔ **وشرط احمد ستراحد منکبیہ ایضا**۔ اسی کی شرح میں شامی میں فرماتے ہیں۔ **ھو شرط عندہ فی صلوۃ الفرض وعندنا ستر المنکبین مستحب** غرضیکہ کھلے کندھے نماز پڑھنا خلاف سنت ہے اور اگر سستی ہے تو زیادہ برا۔ عالمگیری باب شروط الصلوۃ میں ہے۔ **والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلثۃ اثواب قمیص وازار و عمامۃ اما لوصل فی ثوب واحد متوشحابہ تجوز صلوۃ من غیر کراھۃ وان صلی فی ازار واحد یجوز ویکرہ** خلاصہ فتویٰ یہ ہے کہ صرف ایک تہبند میں کھلے کندھے نماز پڑھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جن صحابہ کرام نے صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے انہوں نے اس سے تمام جسم ڈھک لیا تھا یا مجبوراً پڑھی۔ کہ ان کے پاس قمیض موجود نہ تھی۔ اگر بلا ضرورت بھی پڑھی تو وہ صحابی کا فعل ہے اور ہماری ذکر کی ہوئی حدیث میں خود حضور ﷺ کی ممانعت ہے اور ظاہر ہے کہ دلیل اباحتہ پر دلیل حرمت کو اور فعل پر قول کو ترجیح ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

رمضان میں عشاء کے فرض بغیر جماعت پڑھنے سے وتر جماعت سے پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص عشاء کے فرض بغیر جماعت کے تنہا پڑھے تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو کوئی عشاء کے فرض بغیر جماعت علیحدہ پڑھے وہ تراویح تو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ مگر وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا۔ علیحدہ پڑھے گا۔ شامی باب التراویح میں ہے۔ **ثم رایت القهستانی ذکر تصحیح ما ذکره المصنف ثم قال لکنه اذا لم یصل الفرض معه لا یتبعه فی الوتر** الخ اور اگر فرض کی بالکل جماعت ہی نہ ہوئی ہو۔ بلکہ سب نے علیحدہ علیحدہ پڑھے ہوں تو وہ تراویح بھی جماعت سے نہیں پڑھ سکتے درمختار میں اسی جگہ ہے۔ **ولو ترک الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعة** واللہ اعلم۔

احمد یار خاں

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ لوگ تراویح پڑھ

سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ اگر عشاء کے فرض اور وتر بالغ پڑھادے اور تراویح نابالغ تو جائز ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نابالغ بچہ کے پیچھے کوئی نماز جائز نہیں۔ فرض ہو یا وتر' تراویح ہو یا نماز عید خسوف و کسوف ہو یا استسقاء غرضیکہ فرض واجب نفل ہر نماز نابالغ کے پیچھے ناجائز ہے بالغوں کی امامت بالغ ہی کر سکتا ہے۔ ہاں بچہ بچوں کی امامت کر سکتا ہے۔ صرف علمائے بلخ نے تراویح و دیگر نوافل میں بچوں کی امامت جائز قرار دی ہے مگر یہ قول مرجوح اور ناقابل قبول اور غیر مفتی بہ ہے۔ جمہور علماء کا یہ ہی قول ہے کہ ناجائز ہے۔ یہ ہی صحیح ہے اسی پر فتویٰ و اعتماد ہے۔

عالمگیری کتاب الصلوت باب الامامۃ میں ہے۔ **وعلی قول ائمۃ بلخ یصح الاقتداء بالصبیان فی التراویح والسنن المطلقۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان والمختار انہ لا یجوز فی الصلوٰت کلھا کذا فی الھدایۃ وھو الاصح ھکذا فی المحیط** اسی طرح در مختار باب الامامۃ میں ہے۔ **ولا یصح اقتداء رجل بامراۃ وخنثی وصبی مطلقا ولو فی جنازہ ونفل علی الاصح۔** اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بچہ امامت کے حق میں مثل عورت یا خنثی کے ہے۔ کہ جیسے عورت و خنثی کسی نماز میں مرد کی امامت کے قابل نہیں ایسے نابالغ بچہ بھی' اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ **قال فی الھدایۃ وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزوہ مشائخنا والمختار انہ لا یجوز فی الصلوٰۃ کلھا والمراد بالسنن الرواتب والعید فی احد الروایتین وکذا الوتر والکسوفان والاستسقاء** (فتح) شامی نے تفریح فرمادی کہ نفل و فرض سنت و واجب کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی جماعت نہیں کر سکتا۔ ہدایہ باب الامامت میں ہے۔ **ولا**

یجوز للرجال ان یقتدوا بامراۃ اوصبی وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزۃ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انہ لایجوز فی الصلوۃ کلھا لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لا یلزمہ القضاء بالافساد بالاجماع ولا یبنی القومی علی الضعیف۔ غرضیکہ کسی نماز میں نابالغ بچہ بالغوں کی امامت نہیں کر سکتا۔ عقل کا بھی تقاضا یہ ہی ہے کہ یہ امامت ناجائز ہو۔ اولاً" اس لئے کہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ کوئی نماز ضعیف کے پیچھے نہیں ہو سکتی کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قوی ضعیف کو اپنے دامن میں لے سکتا ہے۔ نہ کہ ضعیف قوی کو اسی لئے فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے نہیں ہو سکتی بالغ کی نفل شروع کرتے ہی واجب بن جاتی ہے۔ اور اگر توڑ دے تو قضا کرنی پڑے۔ نابالغ کا یہ حال نہیں۔ اگر وہ نماز شروع کر کے توڑ دے تو قضا واجب نہیں۔ اگر بالغ نابالغ کے پیچھے نفلاً" پڑھے تو گویا واجب نفل کے پیچھے ادا کر رہا ہے اور یہ شرعی قاعدے کے خلاف ہے۔ نیز جماعت میں بچوں کو بالغوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے نہ اولاً" مرد صف باندھیں پھر بچے پھر خنثی پھر عورتیں۔ جب بچوں کو مردوں کے برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے تو انہیں امام بن کر آگے کھڑا ہونا کیونکر جائز ہو گا۔ حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں ارشاد ہوا۔ **اخروھن من حیث اخرھن اللہ** چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے رکھا ہے تم بھی انہیں پیچھے رکھو کہ نماز میں نہ تو مردوں کے برابر کھڑا ہونے دو۔ نہ امام بنا کر آگے کھڑا کر دو۔ علمائے بلخ کا یہ قول قواعد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ اگر امام بھول کر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو جائے اور اس رکعت میں اگر کوئی جماعت سے ملے تو بالاتفاق یہ شخص جماعت میں شریک ہو گیا حالانکہ امام کی یہ رکعت نفل ہے اور اس مقتدی کی فرض۔ اسی کو صلوٰۃ مظنونہ کہتے ہیں۔ جب اس رکعت میں فرض اولاً" اقتداء کر سکتا ہے تو بچہ کے پیچھے بھی بالغ کی نماز ہو سکتی ہے۔ مگر اس دلیل پر دو طرح حرج ہے ایک یہ کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ

رکعت مظنونہ واجب الادا ہو جاتی ہے۔ اس کے توڑنے پر قضا واجب لہٰذا اس کے نفل ہونے پر اجماع نہ رہا۔ بخلاف بچہ کے کہ اس کی نماز کے غیر واجب ہونے پر اجماع ہے۔ دیکھو ہدایہ میں مقام امامت' لہٰذا بچہ کی نماز اس پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اختلاف مجتہدین سے مسئلہ میں وسعت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ پھر تو مشائخ بلخ کو چاہیے کہ بچہ کے پیچھے بالغ کی فرض نماز بھی جائز رکھیں کیونکہ رکعت مظنونہ میں فرض کی اقتداء درست ہے۔ عجیب بات ہے کہ مقیس علیہ میں فرض کی اقتداء ہو رہی ہے اور مقیس میں آپ نفل کی قید لگاتے ہیں۔ بہر حال بقاعدہ حنفیہ نابالغ بچہ کے پیچھے بالغ کی کوئی نماز جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

جنگی قیدی نو مسلم عورتوں سے نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر ۶۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ مشرکہ عورتیں گرفتار ہو کر دار السلام میں لائی جا رہی ہیں۔ غازی انہیں فروخت کر جاتے ہیں۔ بعد میں وہ بخوبی مسلمان ہو جاتی ہیں۔ ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو آیا ان پر اپنے پہلے نکاح کی عدت لازم ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ان عورتوں سے جو اپنے شوہر سے حاملہ ہوں ان سے فی الحال نکاح نہیں ہو سکتا۔ وضع حمل کا انتظار ضروری ہے۔ اور جو غیر حاملہ ہوں خواہ کنواری ہوں یا شادی شدہ ان سے فوراً نکاح بھی درست ہے اور جماع بھی۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الجہاد باب۔

باب غزا الصبی للخدمۃ میں ہے۔ فلما فتح اللّٰہ علیہ الحصن ذکر لہ جمال صفیۃ بنت حی بن اخطب وقد قتل زوجھا وکانت عروساً فاصطفاھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لنفسہ فخرج بھا حتّٰی اذا بلغناسد الصھباحلت وبنی بھاثم صنع حیساء فکانت تلک ولیمۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی صفیۃ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت صفیہ جنگ میں گرفتار ہو کر آئیں شادی شدہ تھیں۔ مگر فوراً ہی حضور ﷺ کی زوجیت سے مشرف ہوئیں اور راستہ میں زفاف بھی ہوا۔ عدت وغیرہ کچھ نہ گزاری گئی۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ وکذا لاتعتد مسبیۃ افترقت بتباین الدارین لان العدۃ حیث وحیث انما وجیت حقا للعباد والحربی ملحق بالجھاد الا الحامل فلا یصح تزوجھا لا لانھما معتدہ بل لان فی بطنھا ولداً ثابت النسب ثوبیۃ خرجت الینا سلمۃ اوذمیۃ اومستامنۃ ثم اسلمت وصارت ذمیۃ الا الحامل۔ خلاصہ یہ ہے کہ کافر قیدی عورتیں غیر حاملہ سے نکاح اور صحبت فوراً درست ہے حاملہ سے فی الحال درست نہیں۔ کفار کا آپس کا نکاح شرعاً درست ہے اسی لئے قرآن کریم نے ام جمیلہ کو ابولہب کی بیوی فرمایا۔ وامراتہ حمالۃ الحطب۔ اسی لئے ان کے بچے حلال ہیں کہ باپ کی میراث پائیں گے۔ اگر زوجین اسلام قبول کرلیں تو نئے نکاح کی ضرورت نہیں مگر زوال نکاح سے مسلمان پر عدت لازم نہیں کہ وہ نکاح قابل احترام نہیں اور نہ کافر شوہر صاحب استحقاق۔

احمد یار خاں عفی عنہ

مدارس کے چندہ سے مزدوروں کو اجرت دینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۷۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مدارس اسلامیہ میں چندہ وصول

کرنے والوں کی اجرت اسی چندہ کی رقم سے نصف یا تہائی یا چوتھائی کی شرح پر دی جاتی ہے۔ حالانکہ چندہ میں آئی ہوئی رقم صدقات فطرات زکوٰۃ وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ جس کی پوری مقدار مدرسہ میں پہنچنی چاہیے کیونکہ چندہ دینے والا اس پر راضی نہیں کہ اس کے دیئے ہوئے کا کوئی حصہ یہ سفیر حق سفارت میں وضع کرے اور اگر مہتمم مدرسہ سفیر سے یہ بھی کہہ دے کہ تم جس قدر چندہ وصول کرو گے اس کی مقدار کا نصف یا تہائی مدرسہ کے فنڈ سے دیا جائے گا۔ تب بھی اگرچہ وہ سفیر چندہ مدرسہ میں دے دے اور اس کی مقدار کا ایک حصہ مہتمم مدرسہ سے مدرسہ میں سے لے تب بھی اجرت مجہول رہی۔ حالانکہ کام و اجرت دونوں معین ہونے ضروری ہیں اگر اجرت مجہول رہی تو اجارہ فاسد ہو گا جیسے کہ عالمگیری جلد ثالث کے پندرھویں باب کی تیسری فصل کے مسائل میں مذکور ہے۔ حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہ ہی تھا کہ چندہ کی مقدار کا کوئی حصہ کرنا ناجائز ہے اور اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے۔ اور غالباً" مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب دامت برکاتہم بھی اپنے مدرسہ کے چندہ کرنے والوں کی تنخواہ ہی مقرر فرماتے ہیں اور اس قسم کے مذکورہ بالا اجارہ کو فاسد فرماتے ہیں لیکن محصلین چندہ کے بارے میں تجربات شاہد ہیں کہ وہ مقرر کرنے میں دل سے کام کرتے ہیں۔ اور اس طرح مہتممان مدرسہ بھی بے فکر رہتے ہیں اور تنخواہ دار سفیر تو محض مہینہ پورا کرتے ہیں۔ اسی مجبوری کو دیکھ کر اکثر مدارس اسلامیہ کے منتظمین نے تنخواہ دار سفراء کی اجرت بجائے تنخواہ کے چندہ کا ہی ایک حصہ تہائی یا نصف وغیرہ مقرر کر دیا۔ اس کو جائز سمجھا جائے جیسے کہ کتاب کے پندرھویں باب کی تیسری فصل میں ہے۔ **دفع غزلاً الی حائک لینسجه بالنصف فالثوب لصاحب الغزل ومشائخ بلخ یجوز واهذ الاجارة لمکان الضرورة والتعامل۔** حضور کی خدمت میں استدعا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق دقیق سے مطلع فرمائیں تا کہ منتظمین مدرسہ و سفراو محصلین کے لئے اس کو اخباروں میں شائع کرا دیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سفیر مدرسہ کی اجرت چندہ کے نصف یا چہارم مقرر کرنا جائز ہے۔ شرعاً ممنوع نہیں لیکن اس میں اتنی احتیاط کی جائے کہ سفیر صدقات واجبہ کی رقم دوسرے صدقات میں مخلوط نہ کرے اور وہ رقم بعینہ مہتمم مدرسہ کے حوالہ کردے۔ اس کے چہارم یا نصف کے بقدر دوسرے مال سے لے لے۔ یہ احتیاط جب ہے کہ جب سفیر غنی یا ہاشمی ہو اور مصرف زکوٰۃ نہ ہو لیکن اگر خود مصرف زکوٰۃ ہے تو اس احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ مدرسہ کے طلباء اور مدرسین اور خدام کے سارے مصارف مدرسہ کے ہی مصارف ہیں ان میں سے کسی میں خرچ کرنا مدرسہ پر ہی خرچ کرنا ہے۔ لہٰذا دینے والوں کا اس سے ناراض ہونا بیکار ہے نیز یہ اجرت وصول چندہ کی ہے۔ لہٰذا یہ سفیر مثل عامل زکوٰۃ ہے۔ درمختار میں ہے۔ **اوعالم نعم الساعی والعاشر فیعطی ولوغنی لا هاشمی لانه فرغ نفسه لهذا العمل کابن السبیل۔** ردالمحتار میں ہاشمی کے بارے میں فرمایا۔ **ماذکرده ههنا صریح فی عدم حل الاخذ مما جمعته من الصدقة لامن غیره فلا دلیل علی عدم صحة تولیة عاملا اذا رزق غیرها** نیز عالمگیری باب المصارف میں عامل کے متعلق ہے۔ **فان عمل الهاشمی علیها ورزق من غیرها لاباس به هکذا فی الخلاصة۔** صاف معلوم ہوا کہ اگر غیر مصرف زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا عامل مقرر کردیا جائے اور تنخواہ دوسرے پیسہ سے دی جائے تو جائز ہے۔ جہالت اجرت کا سوال بھی درست نہیں کیونکہ اجارہ اور بیع میں وہی جہالت فساد عقد کا باعث ہے جس سے جھگڑا پیدا ہو۔ ورنہ مطلق جہالت عقد کی مفسد نہیں۔ درمختار شروع کتاب الاجارہ میں ہے۔ **وشرطها کون الاجارة والمنفعة معلومتین لان جهالتهما تفضی الی المنازعة** نیز ہدایہ جلد ثالث باب خیار رؤیت میں ہے۔ **ولان الجهالة لعدم الرؤیة لا تفضی الی المنازعة** چونکہ نصف و ربع اجرت مقرر

کرنا باعث منازعت نہیں۔ لہٰذا جائز ہے۔ اسی لئے کھیت کی زمین کا نصف یا چوتھائی پیداوار پر اجارہ جائز ہے۔ ورنہ سفیر کو تنخواہ پر رکھنا بھی ناجائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس کا عمل مجہول ہے۔ نہ معلوم کہ مہینہ میں کتنا سفر کرے گا یا کتنا چندہ وصول کرے گا۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اجیر کی اجرت اس کے عمل سے دینا ناجائز ہے۔ اسی لئے چکی والا کو پسائی میں آٹا دینا منع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شے میں عمل کرنے اور عمل سے اس شے کے حاصل ہونے میں بڑا فرق ہے۔ چندہ کا پیسہ سفیر کی کوشش سے حاصل ہوا۔ سفیر نے اس پیسہ میں کوئی عمل نہیں کیا ہے۔ لہٰذا چندہ سے سفیر کو اجرت دینا جائز ہے۔ اور آٹے سے پسائی کی اجرت اور کپڑے سے بنوائی کی اجرت دینا منع' چندہ کھیت کی پیداوار کی طرح ہے۔ جس سے مزارع کو اجرت دینا جائز ہے۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کی ممانعت میری نظر سے نہیں گزری۔ اور نہ وجہ ممانعت سمجھ آئی۔ میرے قیام دھوراجی کے زمانہ میں مدرسہ منظر اسلام بریلی کے سفیر وہاں پہنچا کرتے تھے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرات چہارم چندہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فاتحہ اور ختم شریف کا حکم

فتویٰ نمبر ۷۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے جلالپور جٹاں میں ایک مہاجر مولوی صاحب ہیں وہ حسب ذیل باتیں کرتے ہیں۔

(۱) کھانے پر ختم دلوانا حرام ہے۔

(۲) میت کے لئے تین دن ماتم پرسی کے لئے بیٹھنا حرام ہے۔

(۳) بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا حرام ہے۔

(۴) محفل میلاد شریف گیارھویں وغیرہ عرس بزرگان حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ پاک نبوی میں نہ تھیں۔ لہٰذا بدعت ہیں اور بدعت حرام ہے۔

(۵) زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے نہ ہوا۔ اس کے ثبوت میں نہ آیت قرآنی ہے نہ کوئی صحیح حدیث وہ بدچلن اور فاحشہ عورت تھی۔ اس کا یوسف علیہ السلام کی بیوی ماننا شان نبوت کے خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات۔**

(۶) یوسف علیہ السلام کے بھائی بڑے گنہگار جھوٹے فریبی تھے۔ ان کی تعظیم کرنا گناہ ہے براہ مہربانی فرمایا جاوے کہ آیا یہ اعتقاد درست ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مولوی مذکورہ کے یہ تمام مسائل غلط اور بے بنیاد ہیں۔ ختم' فاتحہ' دعا بعد نماز جنازہ وغیرہ کار خیر ہیں۔ ان کے کرنے والا مستحق ثواب ہے۔ ان مسائل کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ میں دو قاعدے عرض کرتا ہوں پہلے قاعدے سے ان چار مسائل کا فیصلہ خود بخود ہو جاوے گا اور دوسرے قاعدے سے انشاء اللہ آخری مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ حرام و حلال جاننے کے لئے ایک قاعدہ ضرور خیال میں رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ حرام یا ناجائز کام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا۔ حلال وہ کام ہے جو اللہ و رسول نے منع نہ فرمایا ہو یا تو اس طرح کہ ان کے حلال ہونے کا ذکر فرمایا ہو یا اس طرح کہ ان سے سکوت ہو۔ ان کا ذکر ہی نہ فرمایا ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **یایھا الزین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم ان تسئلوا عفا حین ینزل القران تبدلکم عنھا اللہ عنھا۔** معلوم ہوا کہ جو باتیں اللہ کے رسول نے ذکر نہ فرمائیں وہ معاف ہیں۔ مشکوۃ

شریف جلد دوم کتاب الاطعمہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ **الحلال ما احل اللہ والحرام ما حرم اللہ وما سکت عنہ فھو معفو** حلال وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمادیا۔ حرام وہ جسے رب تعالیٰ نے حرام فرمادیا اور جس سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ شامی عالمگیری وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے۔ کہ **الاصل فی الشیاء الاباحۃ۔** ہر چیز اصل میں مباح ہے۔ ممانعت سے حرام ہوگی۔ جیسے کوئی چیز بغیر امر کے واجب نہیں ہوسکتی۔ ایسے ہی بغیر ممانعت کے حرام نہیں ہوسکتی۔ اب جو شخص گیارہویں وغیرہ کسی چیز کو حرام کہے۔ اس سے مطالبہ کرو۔ کہ دکھاؤ حضور ﷺ نے اس سے کہاں منع فرمایا ہے یہ کہنا کہ جو چیز حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو وہ حرام ہے۔ یہ قاعدہ بالکل غلط ہے۔ چھ کلمے ایمان مجمل' ایمان مفصل' قرآن شریف کے تیس پارے' پورا علم حدیث یعنی اسناد کی جرح اور حدیث کے اقسام ضعیف' حسن' صحیح' مفصل' مدلس وغیرہ ان کے احکام کہ ضعیف سے حسن اعلیٰ ہے۔ حسن سے صحیح قوی ہے پورا علم فقہ اور اس کی اصطلاحیں' علم اصول فقہ' اصول حدیث' اسلامی مدرسے' وہاں کا نصاب' دستار بندی سند لے کر مولوی بننا' شریعت کے چاروں سلسلے حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی' طریقت کے سلسلے قادری' چشتی' نقشبندی سہروردی وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز زمانہ نبوی میں نہ تھی۔ نقشبندی اور چشتی فارسی الفاظ ہیں۔ ان چیزوں کو تمام دنیا محض جائز ہی نہیں بلکہ ضروری مانتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی شے کا زمانہ نبوی کے بعد ایجاد ہونا حرام کا سبب نہیں۔ نیز فاتحہ وغیرہ میں دو عبادتوں کا جمع کرنا ہے۔ یعنی تلاوت قرآن اور صدقہ' جب یہ دونوں عبادتیں علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو جمع ہو کر ضرور حلال ہیں۔ حلال چیزوں کا مجموعہ حلال ہی ہوتا ہے۔ جیسے بریانی۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے ثبوت کے لئے ہر جگہ نص قرآنی یا صحیح حدیث کی ہی ضرورت نہیں ثبوت کے ذریعہ چار ہیں۔ وحی' قول رسول اللہ ﷺ ہمارے حواس' دلالت عقلی' آخرت کے معاملات وحی یا قول رسول سے ثابت ہیں۔ مکہ معظمہ کا

ثبوت ہمیں مشاہدہ سے ہوا۔ رب تعالیٰ کی ذات اس کی واحدانیت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جسے تبلیغ رسول نہ پہنچے۔ اسے بھی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ **ففی کل شئی له اية تدل علىٰ انه واحد**۔ بلکہ علامہ شامی نے کتاب الشہادت میں فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جن میں صرف شہرت یا علامت سے بھی گواہی دی جا سکتی ہے جیسے نسب نکاح اوقات تبرکات۔ کسی کا سید مشہور ہونا۔ یا کسی پردیسی کا اپنے بال بچوں کو لے کر مثل زن و شوہر رہنا بسنا' اس سے سید ہونے یا اس کے نکاح کے علامات ہیں۔ اسی طرح کسی عمارت کے مینارے و گنبد ہونا اس کے مسجد ہونے کی علامت ہے اگرچہ نہ ہمیں واقف کی خبر نہ وقف کی' مگر اس علامت پر ہم اس کے مسجد ہونے کی گواہی دے سکتے ہیں۔ ملا علی قاری نے ملک منقسط میں لکھا کہ حاجی ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی زیارت عام مسلمان کرتے ہوں۔ ثبوت کے درپے نہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا**۔ مسلمان رب تعالیٰ کے گواہ ہیں اسی لئے عام مسلمان جسے ولی اللہ کہیں۔ وہ واقعی رب کا ولی ہوتا ہے۔ جیسے حضور غوث پاک یا خواجہ اجمیری قدس سرہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ **انتم شهداء الله فى الارض**۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھ لو۔ کہ حضرت زلیخا کا نکاح یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ ہے جو مسلمانوں میں عام طور سے مشہور ہے۔ علماء صوفیائے محدثین مفسرین نے بیان فرمایا۔ جیسے تفسیر جلالین وکبیر و مدارک وغیرہ میں علامہ جلال الدین سیوطی و فخر الدین رازی وغیرہم نے بیان فرمایا۔ اتنی شہرت اتنے اکابر کا بیان کرنا اس تاریخی واقعہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے جو اس کا انکار کرے۔ وہ کوئی نفی کی حدیث پیش کرے۔ در مختار کتاب الشہادۃ میں ہے۔

ولا يشهد احد مما لم يعاينه بالاجماع الا فى عشرة على ما فى شرح الوهبانية منها العتق والولاء عند الثانى والمهر على الاصح بزازيه والنسب والموت والنكاح والدخول بزوجته والايته القاضى واصل

والوقف وقبل وشرائط علی المختار کما من فی باب فلہ الشھادۃ بذالک اذا اخوہ بھا بھذا الاشیاء من یصح یتق الشاھدبہ من خبر جماعۃ لا یتصور تواطؤھم علی الکذب بلا شرط عدالۃ وشھادۃ عدلین۔ جب سمعی نکاح پر نکاح کے احکام وراثت و مہر وغیرہ جاری ہو جاتے ہیں۔ تو حضرت زلیخا کے نکاح پر تو ہمیں کوئی احکام بھی جاری نہیں کرنا ہیں۔ وہ بدرجہ اولیٰ ان خبروں سے ثابت ہونا چاہیے۔ حضرت زلیخا نہ فاحشہ تھیں نہ بدچلن قرآن کریم نے ان کے متعلق صرف اتنا بیان فرمایا ہے کہ **ولقد ھمت بہ۔** حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کیا۔ قصد زنا نہیں۔ نہ اس پر احکام زنا جاری ہوں اور یہ قصد بھی حسن یوسف پر وارفتہ ہونے کی وجہ سے ہوا جیسے مصری عورتوں نے اس جمال یوسفی کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ جیسے وہ عورتیں معذور تھیں۔ ایسے ہی حضرت زلیخا نے وارفتگی اور بے خودی کی حالت میں یہ کیا۔ پھر قرآن کریم نے حضرت زلیخا کی سچی توبہ کا ذکر بھی فرمایا۔ میں نے ہی انہیں رغبت دی تھی اور اپنے جرم کا اقرار بھی توبہ ہی ہے۔ تو جتنے گناہ حضرت زلیخا سے ہوئے۔ وہ سب اس توبہ سے معاف ہو گئے۔ تعجب ہے کہ رب تعالیٰ تو ان کی توبہ کا اعلان کرے اور یہ گستاخ انہیں فاحشہ ہی کہے جاویں۔ نیز حضرت زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر بہت سے احسانات کیے۔ ان پر اپنی جان ومال نثار کیا۔ ایسی محسنہ کو گالیاں دینا اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

جبری نکاح کا حکم

فتویٰ نمبر۹۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مجبور کر کے اسلحہ دکھا کر اس کی

نابالغہ لڑکی کا نکاح عمرو سے کرا دیا گیا۔ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی خون دیکھتے ہی نکاح فسخ کر دیا تو نکاح جبری صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر صحیح ہوا تو فسخ ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر صغیرہ کا ولی مجبوراً صغیرہ کا نکاح کفو میں کر دے یا خود کبیرہ اپنے کفو میں کر دے تو نکاح درست ہے اور اگر غیر کفو میں کرے تو نکاح درست نہیں۔ حاکم علیحدگی کا حکم دے دے گا۔ شامی شروع کتاب النکاح میں ہے۔ **زوجها اولياءها مكرهين والنكاح جائز ويقول القاضى للزوج ان شئت اتمم لها مهر مثلها وهى امراتك ان كان كفوا لها والافرق بينهما ولا شئى لها۔** باپ دادا اگر صغیرہ کا نکاح کر دیں تو وہ بالغہ ہو کر نہیں ٹوٹ سکتا۔ ہاں اگر ان کے متعلق مشہور ہو کر وہ رشوت یا بے پروائی سے نامناسب جگہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیتے ہیں یا انہوں نے دیوانگی یا بے ہوشی کی حالت میں نکاح غلط جگہ کیا ہو۔ تو صغیرہ بالغہ ہو کر نکاح فسخ کر سکے گی۔ شامی باب الاولیاء میں ہے۔ **ولزم النكاح ولوبغبن فاحش او بغير كفوان كان الولى المزوج ابا اوجدا لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقا وان عرف لا يصح النكاح اتفاقا وكذا لوكان سكران فزوجها من فاسق اوشريرا وفقيرا وذى حرفة دنية لظهور سوء اختياره۔** اگر باپ دادا پہلے سے اس کام میں مشہور ہوں کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح بے پروائی یا رشوت وغیرہ سے غیر کفو میں کر دیتے ہوں۔ تب لڑکی فسخ کر سکے گی ورنہ نہیں۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ **والحاصل ان المانع هو كون الاب مشهور البسوء الاختيار قبل العقد فاذا لم يكن مشهوراً بذالك ثم زوج بنته من فاسق صح۔** واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

پاگل خاوند سے طلاق لینے کا بیان

فتویٰ نمبر ۸۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا شوہر گیارہ برس سے پاگل ہے۔ کسی وقت ہوش میں نہیں آتا۔ اب اس کے طلاق کی کیا صورت ہے؟ کسی امام کے مذہب پر اسے نکاح سے علیحدگی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ عورت صبر کرے۔ بعض علماء نے حسب ذیل شرائط کے ماتحت عورت کو فسخ نکاح کی اجازت دی ہے۔ دیکھو رسالہ **اطیلة الناجزہ للحلیلة العاجزہ**۔

نمبرا عورت کی طرف سے جنون پر رضامندی نہ پائی جاوے اگر نکاح سے پہلے جنون کا پتہ تھا اس کے باوجود نکاح کیا تو فسخ کا اختیار نہیں۔ اگر نکاح کے بعد جنون یا خبر جنون ہوئی تو کبھی عورت نے رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔ اگر ایک بار بھی رضامندی ظاہر کر دی۔ تو خیار گیا۔

نمبر۲ جنون کا پتہ لگنے کے بعد عورت نے اپنے اختیار سے مرد کو جماع یا دواعی جماع کا موقعہ نہ دیا ہو اور اگر کبھی موقع بخوشی دیا تو فسخ کا اختیار گیا۔

نوٹ ضروری: اگر معمولی جنون تھا۔ عورت نے شوہر کو جماع کا موقعہ بخوشی دے دیا۔ پھر بعد میں جنون ترقی کر گیا تو بھی عورت کو فسخ کا اختیار ہو گا۔ کیونکہ جس جنون سے عورت راضی ہوئی وہ اور نوعیت کا تھا۔ یہ دوسری نوعیت کا ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

سورتوں کی ترتیب اور سورۃ چھوڑنے کا بیان

فتویٰ نمبر ۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام پہلی رکعت میں **اذا جاء** اور دوسری میں **قل ھو اللہ** پڑھتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

نمبر۲ دوسرا امام خلاف ترتیب سورتیں پڑھتا ہے۔ مثلاً پہلی میں **قل ھو اللہ** دوسری میں **انا اعطیناک الکوثر**۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نمبر۱ دو رکعتوں کی سورتوں میں یا تو چند چھوٹی سورتوں کا فاصلہ چاہیے یا ایک بڑی سورت کا اور **اذا جاء** اور **قل ھو اللہ** کے درمیان **تبت یدا** ہے جو چھوٹی سورت ہے اور ایک چھوٹی سورۃ کا فاصلہ مکروہ ہے۔ لہٰذا اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار باب القرات میں ہے۔ **ویکرہ الفصل سورۃ قصیرۃ**۔ عالمگیری باب القراۃ میں ہے۔ **واذا جمع بین سورتین بینھا سورا و سورۃ واحدۃ فی رکعۃ واحدۃ یکرہ واما فی الرکعتین ان کان بینھما سور یکرہ وان کان بینھما سورۃ واحدۃ قال بعضھم یکرہ وقال بعضھم ان کانت السورۃ طویلۃ لا یکرہ ھکذا فی المحیط کما اذا کان بینھما سورتان قصیر تان واللہ ورسولہ اعلم**۔

نمبر۲ فرض نماز میں قرآن کی سورتیں ترتیب قرآن کے مطابق پڑھنا واجب ہے اگر عمداً خلاف ترتیب پڑھی جاویں تو نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔ جس کا لوٹانا ضروری ہو گا۔ درمختار باب القراۃ میں ہے۔ **ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقراء منکوساً الا اذا ختم فقراء من البقرۃ**۔ اس کے حاشیہ ردالمحتار میں اسی جگہ ہے۔ **بان یقرء**

فی الثانیۃ اعلی مما قرء فی الاولی لان ترتیب السور فی القراۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسھیلاً لضرورۃ التعلیم۔ اسی طرح عالمگیری باب القراۃ میں ہے۔ واذا قرء فی رکعۃ سورۃ وفی الرکعۃ الاخری اوفی تلک الرکعۃ سورۃ فوق تلک السورۃ یکرہ۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز میں ترتیب قران کالحاظ واجب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

غائب خاوند کے موت کی خبر پر بیوی کا
دوسری جگہ نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر۸۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں۔

نمبر۱ ایک عورت کا خاوند غائب ہے۔ کسی طرح اس کی موت کی خبر آئی۔ آیا اس خبر پر وہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ کیا وہ نوے سال پورے کرے۔ یونہی کوئی اجنبی عورت کہہ دے کہ میرا خاوند مارا گیا یا مجھے طلاق دے چکا ہے۔ آیا اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

نمبر۲ پاکستان بنتے وقت جو انقلاب ہوا اس وقت بعض مہاجرین سکھوں میں گھرے ہوئے دیکھے گئے مگر انہیں مرتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ آیا وہ مفقود کے حکم میں ہیں یا ان کی بیویاں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ جو جنگ جرمن میں گئے اور لاپتہ ہو گئے۔ ان کی عورتیں کیا کریں؟

نمبر۳ بعض جنگ جرمن میں جانے والے لاپتہ سپاہیوں کے متعلق دفتر سے اطلاع ملی کہ سنا گیا ہے وہ مارا گیا۔ اس خبر پر اعتماد کر کے ان کی بیویاں نکاح کر سکتی ہیں۔ ان

مسائل کی اس وقت سخت ضرورت درپیش ہے اس مشکل کو حل کیا جائے۔

الجواب

نمبرا صورت مذکورہ میں اگر موت کی خبر دینے والا فاسق فاجر نہ ہو۔ بلکہ نیک متقی آدمی ہو۔ جس کی خبر قابل اعتبار ہو۔ تو عورت مذکورہ اپنا نکاہ دوسری جگہ کر سکتی ہے کیونکہ اس خبر سے وہ شخص مفقود نہ رہا۔ مفقود تو وہ ہے جس کی کسی طرح کی خبر نہ ملے بلکہ یہ غائب ہوا۔ اور غائب کے اور احکام ہیں۔ مفقود کے کچھ اور۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ **اخبرھا ثقة ان زوجھا الغائب مات او طلقھا ثلاثا او اتاھا منه کتاب علیٰ ثقة بالطلاق ان اکبر رایھا انه حق فلا باس ان تعتدو تتزوج وکذا لوقالت امراة لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی لا باس ان ینکحھا۔** اسی طرح اگر اجنبی عورت بیان کرے کہ میرا خاوند مرگیا۔ میری عدت بھی پوری ہو چکی تو اس کا اعتبار کرنا درست ہے اور نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوا۔

نمبر۲ ایسے لوگ بے شک مفقود تو ہیں۔ مگر ہر مفقود کا حکم یکساں نہیں۔ جو آدمی ایسی آفت میں گرفتار ہو کر لاپتہ ہو جائے اس کے لئے اتنی دراز مدت انتظار کرنا ضروری نہیں۔ اس کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ شخص قوم کا بڑا آدمی تھا۔ جیسے بادشاہ یا وزیر یا کوئی بڑا آدمی جس کی زندگی مشتہر ہو جاتی ہے اس کے لئے تھوڑے دن انتظار کیا جائے اور جو غیر معروف لوگ ہیں ان کے لئے اس قدر انتظار کر لیا جاوے۔ جس سے غالب گمان ہو جاوے کہ وہ مرگیا ہو گا۔ پھر اس کی بیوی اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ نوے سال کی عمر اس مفقود کے لئے ہے جو ویسے ہی گھر سے لاپتہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ شامی کتاب المفقود میں ہے۔ **واذا فقد فی مھلکة فموته غالب فیحکم به کما اذا فقدنی وقت الملاقات مع العدوا ومع قطاع الطریق اوسافر علی المرض الغالب**

ھلاکه اوکان سفره فی البحر وما اشبه ذالک حکم بموته لانه الغالب فی ھذه الحالات۔ اسی شامی میں اسی مقام پر ہے۔ **لکن لا یخفی انه لابد من مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقده عنه ملاقاته العدواد سفر البحر الا اذاکان ملکًا عظیما فانه اذا بقی حیا تشتھر حیاته**۔ غرضیکہ دشمن یا چوروں میں پھنس کر لاپتہ ہونے والا ایسے ہی مہلک بیماری کا لاپتہ مریض اور سمندر کا مسافر وغیرہ سب کا یہی حکم ہے کہ اس میں غلبہ ظن کا اعتبار ہے۔

نمبر۳ اس صورت میں اگر فوجی دفتر سے کوئی پرہیزگار مسلمان کہے کہ میں نے سنا ہے کہ فلاں مارا گیا۔ تو اس کی بات قابل اعتبار ہے۔ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ بعد میں اگر بہت سے لوگ بھی کہیں کہ وہ زندہ ہے کسی کا اعتبار نہیں چنانچہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب العدۃ میں ہے۔ **قال رجل لامرة سمعت ان زوجک مات لھا ان تتزوج ان کان المخبر عدو لا فان تزوجت باخر واخبرھا جماعة بانه حی ان صدقت الاول صح النکاح کذا فی فتاوی النسفی**۔ اور اس جنگ میں گئے ہوئے لوگ چونکہ دشمن میں گھر کر لاپتہ ہوئے ہیں۔ اس لئے اب وہ وفات پا چکے ہیں۔ اگر کوئی خبر نہ بھی دے۔ جب بھی ان کی بیویاں اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ جیسے کہ دوسرے جواب سے معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

نکاح فاسد و باطل کا فرق

فتویٰ نمبر۸۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

(۱) نکاح فاسد و باطل میں کیا فرق ہے۔ اور ان کے احکام کیا ہیں؟
(۲) اور اگر حلالہ کی صورت میں نکاح فاسد کر دیا گیا۔ تو حلالہ درست ہوا یا نہیں۔

الجواب

نمبرا جس نکاح کے جواز میں علمائے امت کا اختلاف ہو۔ وہ نکاح فاسد ہے اور جس کے فساد میں اتفاق ہو۔ وہ نکاح باطل ہے۔ اور جس کے جواز میں اتفاق ہو وہ نکاح صحیح ہے لہٰذا بغیر گواہ کے نکاح یا دوسرے کی عدت میں نکاح بے خبری کی وجہ سے یا دو بہنوں سے نکاح یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح یا چار بیویوں میں سے ایک کی عدت میں پانچویں سے نکاح۔ حرہ کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح۔ یہ تمام نکاح فاسد ہیں۔ شامی جلد دوم باب نکاح الفاسد میں ہے۔ **ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه موجب العدة**۔ اسی جگہ در مختار میں ہے۔ **وهو الذی فقد شرطها من شرائط الصحة کشهود** اس کشہود کی شرح میں علامہ شامی نے فرمایا۔ **ولمثله تزوج الاختین معًا ونکاح الاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة والامة علی الحرة**۔ اور نکاح باطل وہ ہے جس کی حرمت میں تمام علماء کا اتفاق ہو۔ جیسے جان بوجھ کر دوسرے کی عدت میں نکاح کر لینا محرمات سے نکاح یا منکوحہ سے غیر سے نکاح' شامی میں اسی جگہ ہے۔ **واما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لانه زنا**۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ غرضیکہ اگر عورت یا مرد محل نکاح نہیں ہے۔ جیسے محرمہ یا منکوحہ غیر یا مشرکہ تب تو نکاح باطل ہے اور اگر عورت تو محل نکاح ہے مگر کوئی شرط نکاح مفقود ہے۔ تب نکاح فاسد اسی طرح اگر محل نکاح نہ ہو۔ جیسے مسلمہ کے لئے کافر یا مرتد مرد تب بھی نکاح باطل ہے۔ ان دونوں کے احکام میں فرق یہ ہے کہ نکاح فاسد میں وطی کے

بعد عدت اور مہر مثل لازم ہو گا۔ اس سے نسب ثابت ہو گا۔ اس میں عورت مرد ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہو گا۔ اور اگر مرد و عورت حرام سمجھ کر یہ نکاح کریں تو ان پر حد ہے۔ اور باقی ثبوت نسب عدت، مہر وغیرہ کچھ نہیں۔ کیونکہ یہ زنا ہی ہے۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ **ھی تربص یلزم المراۃ عند زوال النکاح فلا عدۃ لزنا اوشبہ کنکاح فاسد ومزفوفۃ لغیر زوجھا**۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ **لو تزوج امراۃ الغیر ودخل بھا عالما بذالک لا یحرم علی الزوج وطاھا لانہ زنا** درمختار باب نکاح الفاسد میں ہے۔ **ویجب مھر المثل فی النکاح الفاسد بالوطی لا بالخلوۃ ولم تزد علی المسمی ویثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا تجب العدۃ بعد الوطی لا الخلوۃ من وقت التفریق ویثبت النسب**۔

نمبر۲ نکاح فاسد سے حلالہ درست نہیں۔ حلالہ میں شرط یہ ہے کہ دوسرا زوج نکاح صحیح کر کے صحبت کرے تب حلالہ درست ہو گا۔ درمختار باب الرجعۃ میں ہے۔ **ولا ینکح مطلقۃ بھا ای بالثلث لوحرۃ وثنتین لوامۃ حتی یطاھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف وتمضی عدۃ۔ واللہ ورسولہ اعلم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

خیار بلوغ کے فسخ میں حاکم کے فیصلہ کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کا صرف فسخ کرنا کافی ہے یا حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے۔ اگر حاکم کے فیصلے کی ضرورت ہو تو اگر لڑکی نے نکاح فسخ کر دیا۔ مگر ابھی حاکم نے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ تو کیا نکاح باقی ہے اور

عورت مرد کو حلال ہے اور زوجین میں سے ایک دوسرے کی میراث کا مستحق ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

خیار بلوغ کی صورت میں لڑکی کے نکاح فسخ کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ نکاح حاکم کے فیصلہ سے ٹوٹے گا۔ البتہ فسخ کردینے سے فسخ نکاح کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا لڑکی کے انکار کرنے کے بعد حاکم کے فیصلے سے پہلے نکاح بدستور باقی رہتا ہے کہ صحبت بھی جائز اور توراث بھی جاری۔ عالمگیری باب الاولیاء میں ہے۔ **وان زوجها غير الاب والجد فلكل واحد منها الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ ويشترط فيه القضا بخلاف خيار العتق فان اختار الصغيرا والصغيرة بعد البلوغ فلم يفرق القاضى بينهما حتىٰ مات احدهما توراثا ويحل للزوج ان يطاهاما لم يفرق القاضى بينهما۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

طلاق نامے میں ایک سال پیشتر کی تحریر کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل بعض لوگ طلاق نامہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک سال پہلے طلاق دے چکا ہوں۔ مگر باقاعدہ تحریر آج کر رہا ہوں اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے بعد عدت لازم ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں طلاق نامہ کی تحریر کے وقت سے ہی طلاق مانی جاوے گی۔ اور اس ہی وقت سے عدت شروع ہوگی۔ اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس میں تہمت ہے کہ شاید عدت سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کیا ہو۔ اگر عورت تصدیق بھی کردے کہ واقعی مجھے فلاں زمانہ میں ہی طلاق دی تھی۔ جب بھی حکم یہی ہے۔ درمختار باب العدۃ میں ہے۔ **لواقر بطلاقها منذزمان ماض فان الفتوی انها من وقت الاقرار نفیالتهمة المواضعة لكن ان كذبته فی الاسناد اوقالت لا ادری وجبت العدة من وقت الاقرار ولها النفقة والسكنی وان صدقته فكذالك غير انه لا نفقة ولا كسوة ولا سكنی لها۔** اسی کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ **ای سواء صدقته او كذبته ام قالت لا ادری۔** غرضیکہ اقرار طلاق کی صورت میں اگر عورت تصدیق کردے تب عدت تو واجب رہے گی مگر نفقہ لازم نہ رہے گا۔ اور اگر تکذیب کرے تو عدت بھی لازم اور نفقہ بھی واجب۔ ہاں اگر مقر اعلیٰ درجہ کا متقی پرہیزگار ہو جس پر جھوٹ بولنے کا بہتان نہ لگ سکے تو اس کا اقرار معتبر ہوگا اور اب عدت علیحدہ کرنی لازم نہ ہوگی۔ اسی جگہ شامی میں ہے۔ **وفی الفتح ان فتوی المتاخرین مخالفة الائمة الاربعة وجمهور الصحابة والتابعين وحيث كانت فی لعنتهم للتهمة فينبغی ان يتحری به محالها والناس الذين هم مظانها۔** اور اگر عورت مقر کے پاس ہی اب تک رہی ہو۔ تب تو ظاہر ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ ورنہ اس نے اب تک عورت کو اپنے پاس کیوں رکھا اور طلاق چھپائی کیوں۔ اور جھوٹے فاسق کی خبر نا قابل قبول ہے۔ شامی نے اسی جگہ فرمایا۔ **زجراً له حيث كتم طلاقها وهو المختار۔ والله ورسوله اعلم۔**

احمد یار خاں عفی عنہ

ماہ رمضان مبارک میں اعلانیہ کھانے پینے کا حکم

فتویٰ نمبر۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مسلمان رمضان شریف میں بلاعذر بازاروں میں اعلانیہ کھاتے پیتے ہیں۔ ان کی سزا اسلام نے کیا مقرر فرمائی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسے لوگ یا تو روزے کی فرضیت کے منکر ہیں۔ یا دین کا مذاق اڑاتے اور شعار اسلامی یعنی ماہ رمضان مبارک کی توہین کرتے ہیں۔ ان کے متعلق علمائے کرام اور آئمہ دین کا اتفاق ہے کہ قتل کردیئے جاویں۔ بعض گناہ جو دین کی توہین کا موجب ہوں ان کا یہ ہی حکم ہے۔ درمختار کتاب الصوم بحث کفارہ میں ہے۔ **ولو اکل عمداً شهرة بلا عذر يقتل وثمامة فى شرح والوهبانية۔** اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ **قال فى الوهبانية** ۔

ولو اكل الانسان عمداً اوشهرة - ولا عذر فيه قيل بالقتل يوم

قال الشرنبلالى صورتها تعمد من لا عذر له الاكل جهار ايقتل لانه مستهزى بالدين اومنكر لما ثبت منه بالضرورة ولا خاف فى حل قتله والامر به فتعبير المؤلف بقيل ليس بلازم للنصف بلکہ رمضان شریف کا ادب تو یہ ہے کہ معذور بھی چھپ کر کھائے پیئے۔ لیکن یہ قتل حکومت اسلامیہ کا فرض ہے۔ ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں جیسے قصاص اور زنا۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

غیر کفو میں نکاح کرنے کا حکم

فتویٰ نمبر ۸۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح بغیر ماں باپ کی اجازت کے ایسی ہلکی قوم میں کرلیا۔ جس سے اس قبیلہ کا نکاح کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ لڑکی والے اس قوم میں لڑکی دینا اپنی سخت ذلت و رسوائی محسوس کرتے ہیں۔ جب ماں باپ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً اس نکاح سے اپنی ناراضگی ظاہر کی۔ فرمایا جاوے کہ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس لڑکی پر عدت واجب ہے۔ یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں صحیح یہ ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر بالغہ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے لئے اذن ولی شرط ہے ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ درمختار باب الولی کتاب النکاح میں ہے۔ **فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولی وروی للولی الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخه القاضی مالم تلد۔ ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان۔** اس کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔ **وقال شمس الائمة وهذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامة قاسم۔** اگر اس نکاح کے بعد صحبت ہوگئی ہے تو عدت ہے ورنہ نہیں۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

بغیر ماتم کے فقط تعزیہ بنانے کا حکم

فتویٰ نمبر۸۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسا تعزیہ جس میں نہ دلدل ہو نہ کوئی قبر نہ اس کی پوجا ہو بلکہ محض یادگار حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ منانے کے لئے بعض ارباب محبت امام عالی مقام کے روضہ کا نقشہ بنا کر تیار کریں اور زیارت کریں اور تعزیہ کو کندھوں پر اٹھا کر گلی کوچوں میں لئے پھریں۔ ایسا تعزیہ نکالنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا حلال۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مذکورہ تعزیہ جس میں مذکورہ بالا محرمات نہ ہوں بنانا حلال ہے کیونکہ یہ محض غیر جاندار چیز کا نقشہ ہے جیسے مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ کے نقشے مگر مروجہ تعزیہ داری حرام ہے۔ حسب ذیل وجوہ سے۔

نمبر۱ یہ تعزیہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کا صحیح نقشہ نہیں۔ نہ تو تعزیہ بنانے والوں نے کربلا معلی جا کر وہاں کا روضہ دیکھا ہے اور نہ وہاں کا صحیح نقشہ دیکھ کر اس کی نقل کی ہے بلکہ ہر تعزیہ دار علیحدہ فیشن کا تعزیہ بناتا ہے۔ اب اس غلط اور جعلی نقشہ کے سید الشہداء کے روضہ کی تصویر سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا حرام ہے۔ جس درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان لی تھی۔ وہ اصل درخت تو گم ہو گیا تھا۔ لوگوں نے غلطی سے دوسرے درخت کی زیارت کرنا شروع کر دی۔ یہ سمجھ کر کہ یہ وہ ہی بیعت والا درخت ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت کٹوا دیا تا کہ غلط فہمی دور ہو۔ وہ بھی غلط چیز کی ہی زیارت کرتے تھے۔ اور موجودہ جاہل مسلمان بھی غلط نقشہ کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح واجب الہلاک ہے۔

نمبر۸ اس تاریخ میں موجہ جلوس نکالنا یزیدیوں کی نقل ہے۔ کہ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے سر اور باقی قیدی اہل بیت کا جلوس نکالا۔ یہ مسلمان ان کی نقل کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔ **من تشبہ بقوم فھو منھم**۔ عاشورہ کے دن کی عبادت روزہ اور صدقہ و خیرات ہے۔ نہ کہ مروجہ ناچ کود۔

نمبر۳ تعزیہ بنا کر اسے دفن کرنا دنیا مال برباد کرنا ہے۔ جو حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہیں۔ **کلوا واشربوا ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین**

نمبر۴ اس غلط نقشہ کا جلوس نکالنا اس کندھوں پر اٹھائے پھرنا بازاروں میں گشت لگانا فعل لغو ہے۔ نہ اس میں دینی نفع ہے نہ دنیاوی فائدہ' یہ بھی حرام ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ھم عن اللغو معرضون**۔ حدیث شریف میں ہے۔ **کل لھو حرام الاثلثۃ**

نمبر۵ یہ فعل مجوزہ روافض کی نقل ہے۔ کفار مرتدین کی نقل اتارنا بھی حرام ہے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار یہ کھیل کود نہیں بلکہ ان کی یادگار پابندی نماز اس دن روزہ صدقہ خیرات ہے۔ اور آج کل پاکستان میں تیاری جہاد کرنا اور اب ووٹ کے موقعہ پر نااہلوں کو ووٹ نہ دینا ان کی بڑی یادگار ہے کہ اس جناب نے سر دے دیا مگر یزید نااہل کو ووٹ نہ دیا۔ امام حسین علیہ السلام کی ذات عالی ایسی واہیات یادگاروں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

ہاں اگر صحیح نقشہ تیار کیا جاوے۔ جس کی زیارت کی جاوے اسے دفن نہ کیا جاوے بلکہ محفوظ رکھا جاوے بلاشبہ جائز ہے بلکہ سنت انبیاء ہے۔ طالوت بادشاہ کے پاس تابوت سکینہ رب تعالیٰ نے بھیجا۔ جس میں گزشتہ انبیاء کرام کے تبرکات اور آئندہ پیغمبروں کی تصاویر اور ان کے مکانوں کے نقشے جس کی تعظیم و توقیر کرائی گئی۔ اس کی برکت سے فتح حاصل کی گئی۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر۸۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کی بیٹی زید کے نکاح میں تھی پہلے تو زن و شوہر کا اتفاق رہا۔ پھر ان میں نااتفاقی ہوگئی۔ عمرو نے زید کو بہانے سے بلا کر اندر بند کر کے چند آدمیوں کو مارنے کے لئے بلالیا اور کہا کہ یا تو میری بیٹی کو طلاق لکھ دو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھوؤ۔ زید نے بے بسی کی حالت میں طلاق تحریر کردی فرمایا جائے طلاق ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں اگر زید نے منہ سے طلاق کے لفظ نہ بولے ہوں۔ صرف تحریر کر دی ہو۔ تو طلاق نہ ہوئی۔ وہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے۔ عالمگیری کتاب الطلاق باب الکنایات فصل طلاق بالکتابت میں ہے۔ **رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امراته فلانة بنت فلان فکتب امراته فلانة بنت فلان طالق لا تطلق امراته کذا فی فتاوی قاضی خان۔** اور چاہیے بھی یہ کہ طلاق نہ ہو۔ **فان الطلاق بالخبر یصح خلافا للقیاس للحدیث ثلثة جدهن جدوهن لهن جد النکاح والطلاق والاعتاق او کما قال صلی اللّٰہ علیه وسلم وکل نص مخالف للقیاس یقتصر علی مورده فهذا الحدیث یقتصر علی تطلیقه بالکلام ولا تتعدی الی الکتاب۔** اسی لئے اگر جبراً طلاق کا اقرار کرایا گیا۔ تو معتبر نہیں۔ حالانکہ بحالت خوشی اقرار طلاق بھی طلاق ہے اسی عالمگیری من یقع طلاق میں ہے۔ **اجمعوا علی انه لواکره علی الاقرار بالطلاق لا ینفذ اقراره۔** لیکن اگر زوج نے تحریر کے ساتھ طلاق منہ سے بولی ہے تو طلاق ہوگی۔ کیونکہ جبریہ طلاق زبانی ہو جاتی ہے۔ عالمگیری باب من یقع طلاقہ میں ہے۔ **یقع طلاق کل**

زوج اذا کان بالغاعاقلا سواء کان حرا او عبداً طائعًا او مکرها وطلاق الاعب والهازل به واقع۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر۹۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کے سوا کسی مخلوق کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نذر کے دو معنی ہیں شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی کے معنے ہیں غیر ضروری عبادت کو اپنے پر ضروری کرلینا اور نذر عرفی کے معنی ہیں نذرانہ۔ ہدیہ یا پیش کش' نذر شرعی خدا کے سوا کسی کی ماننا شرک ہے اور نذر عرفی جائز ہے۔ نذر شرعی کی تین شرطیں ہیں۔ نذر عبادت کی ہو۔ وہ عبادت خود بخود واجب نہ ہو۔ وہ عبادت خود واجب کے جنس کی ہو۔ لہذا کپڑے پہننے سرمہ ڈالنے کی نذر درست نہیں۔ کیونکہ یہ کام عبادت نہیں۔ روزہ رمضان اور نماز ظہر کی نذر درست نہیں کیونکہ یہ چیزیں ویسے ہی اجب ہیں۔ وضو و غسل کی نذر درست نہیں کیونکہ اس کی جنس خود واجب نہیں بلکہ نماز کے لئے واجب ہے۔ اس نذر کا حکم ہے کہ اس کا ادا کرنا فرض ہو گا۔ اور اگر صدقہ وغیرہ کی نذر ہو۔ تو اسے وہ ہی کھا سکے گا۔ جو زکوۃ لے سکتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولیوفوا نذورهم۔** قرآن کریم میں اسی نذر کا تذکرہ ہے۔ لیکن دوسری قسم کی نذر یعنی نذرانہ وہدیہ۔ یہ اولیاء اللہ کے لئے ہو سکتی ہے۔ مشکوۃ شریف باب النذر میں ہے۔ کہ ایک بی بی نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ **انی نذرت ان اضرب علی راسک بالدف قال اوفی**

بنذرک میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں۔ فرمایا اپنی نذر پوری کر لو۔ اسی مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ کہ نبی ﷺ بعض غزووں میں تشریف لے گئے۔ جب واپس تشریف لائے۔ تو **جاءت جارية سوداء فقالت يا رسول الله انی کنت نذرت ان ردک الله صالحا ان اضرب بين يديک بالدف واتغنى فقال بها رسول الله صلى الله عليه وسلم ان كنت نذرت فاضربى والافلا**۔ ایک لونڈی حبشیہ حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی۔ کہ حضور خیریت سے واپس تشریف لائیں تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں' فرمایا اگر نذر مانی ہو تو پوری کرو ورنہ نہیں۔ دیکھو ان دونوں حدیثوں میں لفظ نذر موجود ہے۔ لیکن یہاں نذر شرعی نہیں یعنی نذر عرفی یعنی ہدیہ و نذرانہ ہے۔ کیونکہ دف بجانا اور گانا عبادت نہیں بلکہ اس میں اپنی عقیدت اور حضور کی سلامتی پر فرح و سرور کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ پہلی حدیث کی شرح میں لمعات میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ **ان ضرب الدف وان لم يكن من القربات اللهى وجب على الناذر الوفاء بها بل من المباحات كا كل الاطعمة اللذيذة لكنه صلى الله عليه وسلم امر بالوفاء نظراً الى مقصدها الصحيح الذى هو اظهار الفرح والسرور بقدومه صلى الله عليه وسلم غانما مظفراً على الاعداء**۔ حضرت مولانا احمد جیون تفسیرات احمدیہ میں زیر آیت۔ **وما اهل به لغير الله** فرماتے ہیں **فبذالک علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم فى زماننا حلال طيب ملخصاً** یعنی معلوم ہوا کہ جس گائے کی نذر اولیاء اللہ کے لئے مانی جاتی ہے۔ وہ حلال وطیب ہے۔ یہاں بھی نذر سے مراد نذر عرفی ہے نہ کہ شرعی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول صفحہ ۵۴ میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں اور جو اموات اولیاء کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے اور جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذور

میں فرماتے ہیں "نذریکہ این جامستعمل مے شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان مے برند نذر دنیاز مے گویند" غرضیکہ لفظ نذر کے دو معنے ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ پہلے معنی سے نذر خدا کے سوا کسی کے لئے نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی سے ہو سکتی ہے۔ جیسے لفظ طواف کے دو معنی ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ شرعی معنی عبادت مخصوصہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فلیطوفوا بالبیت العتیق** اور فرماتا ہے۔ **ان طهرا بیتی للطائفین والعٰکفین والرکع السجود**۔ ان آیات میں طواف کے شرعی معنی ہیں۔ یعنی بہ نیت عبادت کعبہ کے آس پاس گھومنا پھر قرآن شریف میں ہے۔ **ویطوف علیهم غلمان لهم کانهم لؤلؤ مکنون**۔ فرمایا **ویطاف علیهم بکاس من معین**۔ فرماتا ہے۔ **یطوفون بینها وبین حمیم اٰن** سرکار فرماتے ہیں بلی کے بارے میں۔ **من الطوافین علیکم والطوافات** ان آیات و احادیث میں طواف عرفی یعنی آنا جانا گھومنا پھرنا مراد ہے۔ ایسے ہی شرعی قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے جس پر کفارہ کے احکام مرتب ہوں۔ لیکن قسم عرفی جس سے کلام کی مضبوطی ہو۔ وہ غیر خدا کی بھی ہو سکتی ہے جیسے **والتین والزیتون**۔ اس نذر عرفی کا حکم یہ ہے کہ نہ وہ واجب ہوتی ہے اور نہ اس کے خیرات میں کوئی پابندی۔ ہر امیر و غریب کھا سکتا ہے۔ ہاں پہلی نذر شرعی میں اگر کوئی خاص جماعت مقرر کر دی جائے تو جائز ہے۔ مثلاً کہہ دے کہ خدایا اگر میرا کام ہو گیا تو میں تیرے نام پر نذر دوں گا اور وہ صدقہ فلاں بزرگ کے مجاوروں کو کھلاؤں گا تو جائز ہے۔ شامی نے کتاب الصوم بحث نذر اموات میں فرمایا۔ **ان تکون صیغة النذر للّٰه تعالیٰ لتقرب الیه ویکون ذکرا الشیخ مرادا به فقراءه**

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ اپنی نذر میں کسی جگہ یا کسی وقت کی پابندی لگا دیتے ہیں۔ کہ فلاں جگہ صدقہ کروں گا۔ یا فلاں دن دیگ پکاؤں گا۔ یہ تعین جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب

کسی عبادت وغیرہ کے لئے وقت یا جگہ مقرر کرنے کی تین وجہیں ہیں۔ دو جائز و مستحب ہیں اور ایک ناجائز۔

نمبر۱ محض اہتمام کے لئے دن یا جگہ مقرر کرنا تاکہ لوگوں کے اجتماع میں آسانی ہو جاوے اور یہ کام اچھی طرح انجام کو پہنچے۔ کیونکہ جب تک جگہ اور وقت مقرر نہ ہو۔ لوگ جمع نہیں ہو سکتے اور انتظام اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ یہ جائز ہے جیسے شادی عقیقہ' ولیمہ کی تاریخیں مقرر کرنا یا جماعت نماز کے لئے گھنٹے منٹ اور مدارس کے لئے تعطیل وغیرہ مقرر کرنا۔

نمبر۲ اس دن یا اس جگہ کو کسی بزرگ سے نسبت ہو۔ اس کو متبرک سمجھ کر مقرر کرنا یہ بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ رمضان اور شب قدر بعض عبادات کے لئے اس لئے مقرر ہے کہ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن** اور فرماتا ہے۔ **انا انزلناه فی لیلة القدر** جمعہ کا دن عبادت کے لئے اس لئے مقرر ہوا کہ اس دن بہت سے پیغمبروں کو خاص نعمتوں سے نوازا گیا۔ حج کے لئے جگہ مقرر قربانی کی تاریخ مقرر۔ ان ہی حکمتوں سے ہوئیں۔ مشکوٰۃ شریف باب صوم النفل میں ہے کہ نبی ﷺ سے کسی نے دو شنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ **فیه ولدت وفیه انزل علی۔**

اس دن ہم پیدا ہوئے اور اس دن قرآن شریف نازل ہوا۔ نیز اسی باب میں ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ کے یہودیوں سے دریافت فرمایا۔ کہ تم عاشورہ کو روزہ کیوں رکھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس تاریخ کو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی۔ کہ اسے غرق کیا تھا۔ اس خوشی میں ہم روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا **نحن احق بموسیٰ منکم** موسیٰ علیہ السلام کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ **فصام وامر بصیامه** خود بھی اس کا روزہ رکھا اور امت کو بھی حکم دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا۔ **ربنا انزل علینا مائدة من السماء تکون لنا عیدا لا ولنا واخرنا وایة منک** خدایا ہم پر آسمان سے دسترخوان اتار تا کہ دسترخوان کے اترنے کا دن ہمارے اگلوں پچھلوں کے لئے عید کا دن بن جاوے دیکھو ان تاریخوں اور دنوں کو کسی صالح سے یا کسی اعلیٰ چیز سے نسبت ہو گئی تو تاقیامت یہ تاریخیں کسی خاص عبادت کے لئے مخصوص ہو گئیں۔ لہٰذا اگر کسی تاریخ میں کسی بزرگ کا وصال ہوا ہو اس تاریخ پر اس کی فاتحہ کرنا یہ سمجھ کر کہ یہ تاریخ ان کے وصال یار کی تاریخ ہے۔ تو جائز اور مستحب ہے۔ شامی جلد اول باب زیارۃ القبور میں ہے کہ **ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یاتی قبور الشهدا باحد علی راس کل حول۔** نبی ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے یعنی ان کی شہادت کی تاریخ پر' غرضیکہ تقرر اور تعین اگر اس لئے ہو تو بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔

نمبر۳ کسی دن یا جگہ کو اس لئے مقرر کرنا کہ اسے بتوں یا کفار سے نسبت ہو۔ یہ حرام ہے کہ اس میں بت کی تعظیم ہے مثلاً کوئی کہے کہ مولیٰ اگر میرا یہ کام ہو گیا۔ تو میں دیوالی کے دن خیرات کروں گا۔ یا فلاں مندر پر جا کر صدقہ کر دے گا۔ یہ سمجھتا ہو کہ یہ دن یا یہ جگہ بڑی متبرک ہے۔ چنانچہ مشکوۃ شریف باب النذور میں ہے کہ ایک شخص نے منت مانی کہ میں بوانہ میں اونٹ قربانی کروں گا اور مسئلہ حضور سے دریافت کیا تو سوال فرمایا۔ **هل کان فیها وثن من اوثان الجاهلیة یعبد قالوا لا قال فهل کان**

فیھا عید من اعیادھم قالو الافقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوف بنذرک۔ کیا بوانہ میں کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو۔ عرض کیا نہیں فرمایا وہاں کفار کا کوئی میلہ لگتا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر یعنی وہاں جا کر اونٹ ذبح کر۔ پتہ چلا کہ اگر جگہ یا تاریخ کے تقرر کی وجہ بت کی عظمت ہو تو حرام ہے۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ کسی غیر معین عبادت کو معین کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں شریعت پر زیادتی ہے۔ مثلاً ایصال ثواب جب چاہو کر لو تو جائز ہے۔ لیکن اس کے لئے دن یا تاریخ مقرر کرنا کہ گیارہویں یا بارہویں تاریخ کو ہی کریں گے۔ یہ حرام ہے۔ دلیل یہ دیتا ہے کہ نبی ﷺ نے جمعہ کے روزے سے منع فرمایا۔ دیکھو مشکوۃ باب صوم النفل۔ فقہاء بھی فرماتے ہیں کہ جمعہ کا روزہ مکروہ ہے۔ دیکھو جمعہ افضل دن ہے مگر دیگر ایام سے اس کو خاص کر کے روزہ رکھنا مکروہ قرار دیا گیا۔ اس تعیین کے لئے سنی جو احادیث یا قرآنی آیات پیش کرتے ہیں۔ اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ شارع علیہ السلام کی طرف سے تعیین ہے۔ تم کیسے تعیین کر سکتے ہو۔ اس کا جواب کیا ہے۔

الجواب

زید بالکل جاہل اور شرعی احکام سے بے خبر ہے۔ کسی چیز کو بغیر قطعی ممانعت کے حرام نہیں کہہ سکتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عبادت غیر معین تو جائز ہو اور معین کرتے ہی اس میں حرمت آ جائے۔ کیا تعیین بھی کوئی زہر ہے۔ جس کے شامل ہو جانے سے

اچھی چیز حرام ہو جاوے ورنہ لازم آئے گا کہ تمام یادگاریں منانا حرام ہو جائیں۔ حالانکہ تمام امت رسول اللہ ﷺ بزرگوں کی یادگاریں تاریخ مقررہ پر کرتی رہی اور کرتی ہے۔ پاکستان بننے کی تاریخ ۱۴ اگست کو خوشی منائی جاتی ہے۔ ۲۵ دسمبر کو جناح صاحب کا جنم دن منایا جاتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ **ماراہ المومنون حسنا فهو عند الله حسن**۔ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ زید نے صرف دو وہم پیش کئے ہیں۔ ایک یہ کہ تعیین میں شریعت پر زیادتی ہے دوسرے جمعہ کا روزہ منع ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ شریعت میں زیادتی جب کی جا سکتی تھی۔ جب کسی کا خیال یہ ہوتا کہ اس تاریخ میں یہ عبادت کرنا فرض ہے اور دوسری تاریخوں میں حرام ہے۔ چونکہ فرائض و محرمات نوعاً" و شخصاً" مقرر ہو چکے ہیں۔ اس میں زیادتی کی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی یہ بھی سمجھے تب بھی اس کا یہ خیال غلط ہو گا۔ فاتحہ پھر بھی حلال رہے گی۔ اگر کوئی شخص گائے کا گوشت فرض سمجھ کر کھائے تو وہ گوشت حرام نہ ہو جائے گا۔ ہاں اس کا یہ عقیدہ غلط ہو گا۔ اگر کوئی شخص جمعہ کی اذان کے بعد فروخت کرے تو اگرچہ اس کا یہ کام حرام ہے مگر چیز حلال رہے گی۔ اسی طرح یہ بھی ہے بلکہ زید کا تعیین کو حرام کہنا یہ شریعت میں زیادتی ہے رہا زید کا دوسرا قول کہ حضور علیہ السلام نے جمعہ کے روزے کی ممانعت فرمائی۔ اس کی وجہ تعیین نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس کی چار وجہ بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ یہ دن نماز جمعہ و غسل و زیارت قبور کا ہے۔ روزے کی وجہ سے ان کاموں میں دشواری ہو گی۔ اس لئے نہ رکھے جیسے حاجی کے لئے عرفہ کا روزہ مکروہ ہے کیونکہ یہ دن اس کے کام کا دن ہے دوسروں کے لئے مستحب ہے کیونکہ انہیں کوئی کام نہیں نیز حاجی پر نماز عید نہیں کیونکہ وہ دیگر کاموں میں مشغول ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو یہودی و نصاریٰ سے مشابہت کہ وہ اپنے ہفتہ و اتوار کو روزہ رکھتے ہیں۔ اور دن نہیں رکھتے۔ تیسرے وجوب کے اعتقاد سے یہ روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ کوئی اس دن کا واجب

سمجھ کر رکھے۔ چوتھے اس لئے کہ جمعہ کا دن ہفتہ کی عید ہے تو عید کے دن کھاؤ پئیو روزہ کیوں رکھتے ہو۔ چنانچہ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہے۔ اسے روزے کا دن نہ بناؤ۔ اگر جمعہ کا روزہ تعیین اور تخصیص کی وجہ سے مکروہ ہو تو وہ دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ سرکار فرماتے ہیں ﷺ **لا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه احدکم (مسلم)** تم جمعہ کو روزے سے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی تاریخ میں روزہ رکھتا ہو اور اس تاریخ کو جمعہ آجاوے تو رکھ لے۔ کہئے تعیین کی تو اجازت دے دی گئی کہ کوئی گیارہویں یا بارہویں کے روزے کا عادی ہو اور مقرر کردہ تاریخوں میں جمعہ آجاوے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ فرماتے ہیں ﷺ **لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا یصوم قبله او یصوم بعده۔ متفق علیه۔** کوئی شخص صرف جمعہ کا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے ساتھ آگے پیچھے ایک دن کا روزہ اور بھی رکھ لے۔ غرضیکہ یا تو اس تعیین سے عقیدے کا تعین مراد ہے۔ یا تشبیہ یہود سے بچنا۔ دو شنبہ کے روزے کی اجازت سرکار ﷺ نے بلاوجہ نہ دی۔ بلکہ وجہ بیان فرمادی کہ چونکہ اس دن ہماری ولادت اور ابتداء وحی ہے۔ لہٰذا روزہ رکھو۔ اور جن احکام شرعیہ کی وجہ خود شارع علیہ السلام بیان فرمادیں تو وہ احکام ہر اس جگہ پائے جائیں گے۔ جہاں وہ وجہ پائی جائے۔ جیسے حیض میں صحبت حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ لہٰذا نفاس میں بھی حرام ہے۔ لہٰذا دو شنبہ کا روزہ اس لئے مستحب ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے۔ تو بارہویں ربیع الاول اور گیارہویں ربیع الثانی کا روزہ بھی اس لئے مستحب ہے کہ یہ دن اللہ کے مقبولوں کی طرف منسوب ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مصیبت کے موقعہ پر نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھے تو اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صحیح یہ ہے کہ قنوت نازلہ مصیبت کے وقت صرف نماز فجر میں بعد رکوع جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد پڑھی جاوے تاکہ خلاف اولیٰ سے بچ جاوے فجر کے سوا یہ قنوت کسی اور نماز میں جائز نہیں۔ اگر کوئی پڑھے گا تو فاسد ہوگی۔ اور اعادہ ضروری ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے صرف چند روز پڑھی۔ پھر ترک فرما دی۔ بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ ترک اس لئے تھا کہ اب ضرورت نہ رہی تھی۔ اور بعض صحابہ کرام کے نزدیک یہ قنوت اس آیت سے منسوخ ہے۔ **لیس لک من الامر شئی**۔ انہی صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں سخت اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کے زمانہ میں قنوت پڑھتے تھے۔ طحاوی شریف صفحہ نمبر ۱۴۷ میں ہے۔ **کان عمر اذا حارب قنت و اذا لم یحارب لم یقنت**۔ اسی مقام میں طحاوی شریف میں ہے۔ **انما نسخ عنده الدعاء فی حال عدم القتال**۔ اور صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے ہیں۔ چنانچہ ابو مالک رضی اللہ عنہ نے اسے بدعت فرمایا اور فرمایا کہ خلفائے راشدین نہ پڑھتے تھے۔ دیکھو نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۲۲۔ اسی وجہ سے فقہاء میں بڑا اختلاف رہا۔ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں چنانچہ طحاوی شریف میں صفحہ ۱۲۹ میں ہے۔ **فثبت بما ذکرنا انه لا ینبغی القنوت فی الفجر فی حال حرب ولا غیره قیاسًا ونظرًا علی ما ذکرنا من ذالک**

وھذا قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد۔ مولانا بحرالعلوم رسائل ارکان صفحہ ۲۸ا میں فرماتے ہیں۔ **وعندنا لیس مشروعًا فی الصلوٰۃ المکتوبة وھو الاشبه بالصواب**۔ تفسیرات احمدیہ طبع کلکتہ صفحہ ۲۵ا میں ہے۔ **دعا القنوت عندنا انما یجب فی صلوٰۃ والوتر خاصة ولا یجوز فی صلوٰۃ الفجر اصلا**۔ فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلوۃ صفحہ ۲۵ا میں ہے۔ **ولا یقنت فی غیر الوترکذا فی المتون شرح سفر السعادۃ** صفحہ اا المعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ نزد امام ابو حنیفہ قنوت در نماز فجر اصلا" نیست و قنوت آنحضرت مخصوص بوے بود ﷺ و در قضایا مخصوص بود بعد ازاں ترک کرد' یعنی امام حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز فجر میں قنوت ہرگز نہیں۔ نبی ﷺ کا قنوت پڑھنا۔ یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا کہ خاص ضرورت پر پڑھی اور پھر چھوڑ دیا۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی جاوے نہ مصیبت میں اور نہ ویسے ہی۔ کیونکہ یہ منسوخ ہے' اور بعض حنفی فقہاء فرماتے ہیں کہ مصیبت کے موقعہ پر فجر میں اب بھی قنوت پڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار جلد اول مطلب قنوتِ نازلہ میں فرماتے ہیں **ان قنوت النازلة عندنا مختص بصلوٰۃ الفجردون غیرھا من الصلوۃ الجھریة والسریة**۔ یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر سے خاص ہے۔ اس کے علاوہ کسی نماز میں جائز نہیں۔ نہ جہری میں نہ سری میں۔ طحاوی علی الدرالمختار جلد اول صفحہ ۲۸۳ میں ہے **ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قنت للبلیة فی صلوٰۃ الفجر**۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ **فھذا صریح فی تخصیص القنوت للنوازل بالفجر**۔ یعنی مصیبت کے موقعہ پر صرف فجر میں قنوت پڑھی جائے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ مصیبت کے موقعہ پر پڑھنا جائز ہے۔ بہرحال فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ نماز فجر کے بعد پڑھے۔ اور اگر فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھے تو جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں' لیکن اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ رکوع کے بعد فوراً سجدہ واجب

ہے۔ اگر بقدر ادائے رکن یعنی بقدر ایک تسبیح دیر کی گئی۔ تو واجب کا ترک لازم آیا۔ اور واجب کا ترک اگر بھول سے ہو تو سجدہ سہو واجب ہے اگر عمداً ہو تو نماز کا لوٹنا ضروری ہے طحطاوی علی الدر مختار صفحہ ۲۱۱ ہے۔ **لواطال قیام الرکوع اوالرفع بین السجدتین لکثر من تسبیحۃ ساھیا یلزمہ سجود السھو۔** یعنی اگر رکوع کے بعد کا قیام یا سجدوں کے درمیان بیٹھنا ایک تسبیح کی قدر زیادہ کر دیا بھول کر تو سجدہ سہو واجب ہے رد المحتار جلد اول صفحہ ۵۱۹ میں ہے۔ **والعمد لا یجبرہ سجود السھو بل تلزم فیہ الاعادۃ۔** یعنی عمداً واجب کے چھوڑنے میں سجدہ سہو کافی نہیں بلکہ نماز کا لوٹانا واجب ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ بحر الرائق نے شرح نقایہ کی عبارت بحوالہ غایہ یہ نقل فرمائی **قنت الامام فی صلوٰۃ الجھر وھو قول الثوری واحمد** یعنی امام جہری نماز میں قنوت پڑھے یہ امام ثوری اور احمد کا قول ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی بحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں بحر کے اس قول کے ماتحت فرماتے ہیں۔ **ولعلہ لحرف عن الفجر وقد وجدتہ بھذا اللفظ فی حواشی مسکین وکذا فی الاشباہ۔** نیز طحطاوی علی الدر مختار میں جلد اول صفحہ ۲۸۳ میں ہے۔ **والذی یظھرلی ان قولہ فی البحر وان نزل المسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الجھر تحریف من النساخ وصوابہ الفجر۔** طحطاوی علی مراقی الفلاح میں صفحہ ۲۲۲ میں ہے۔ **الذی فی البحر عن الشمی فی شرح النقایۃ معزیا للغایۃ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔** الاشباہ والنظائر صفحہ ۵۸۳ میں ہے **صرح فی الغایۃ ومعزاہ الشمنی الیھا بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔** دلائل واضح سے ثابت ہو گیا کہ صرف نماز فجر میں مصیبت کے وقت قنوت جائز ہے۔ مگر خلاف اولیٰ ہے اور کسی نماز میں جائز نہیں۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق

منظور ہو تو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کے فتویٰ قنوت نازلہ میں مطالعہ کرے۔ یہ فتویٰ وہاں سے ماخوذ ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں ایسے ہی ریڈیو پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ریڈیو پر نماز پڑھانا دور کے لوگوں کو ناجائز ہے۔ کیونکہ امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہونا ضروری ہے۔ اور مقتدی زیادہ ہوں اور صفیں بہت ہوں تو ضروری ہے کہ امام سے لے کر اخیر صف تک صفیں متصل ہوں۔ بیچ میں فاصد کثیرہ نہ ہو۔ اور جب امام کراچی میں ہے اور مقتدی لاہور میں اور وہاں سے اس کی اقتداء کر رہا ہے تو مکان ایک نہ رہا۔ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں قرات قدر ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے ہوتی ہے اور یہ مکروہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذالک سبیلا**۔ نہ نماز میں زیادہ چیخ کر تلاوت کرو۔ نہ بہت ہی آہستہ کہ مقتدی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی آواز رکھو اور لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے میں تلاوت کی آواز بہت دور تک جاتی ہے۔ جو کہ مقتدیوں کی حاجت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مکروہ ہے اسی لئے جب مقتدی تھوڑے ہوں تو امام کو زیادہ چیخ کر نماز پڑھانا بلا ضرورت مکبر مقرر کرنا یا اگر زیادہ صفیں ہوں تو جہاں تک امام کی تکبیروں کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں مکبر کھڑا کر دینا یا جہاں پہلے مکبر کی آواز پہنچ رہی ہو وہاں دوسرا

مکبر کھڑا کر دینا یہ سب مکروہ ہے۔

نمبر۲ دوسرے یہ کہ لاؤڈ سپیکر میں یہ بھی شبہ ہے کہ جو آواز یونٹ سے نکلتی ہے وہ امام کی اپنی آواز نہیں بلکہ صدائے باز گشت ہے۔ جیسے گنبد یا جنگل کی آواز اگر یہ ہے تو اس پر نماز کی حرکتیں کرنا زیادہ برا ہے۔

نمبر۳ یہ کہ اس میں سنت کا ترک ہے۔ یعنی سنت یہ ہے کہ نماز میں مکبر کھڑے کئے جاویں اور لاؤڈ سپیکر میں اس کو بند کر کے آلہ استعمال کرتا ہے۔ اور جو شے رافع سنت ہو۔ وہ بدعت سیئہ ہے۔ بہر حال لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانا بہتر نہیں۔ باقی لاؤڈ سپیکر پر اذان خطبہ 'وعظ وغیرہ سب بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ نماز میں وہ پابندیاں ہیں جو اور جگہ نہیں۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر۹۵

علمائے دین حسب ذیل مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی کونسی قوی دلیل ہے؟ بخاری شریف میں ہے۔ **لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب**۔ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے پاس اس حدیث کے سواء اور کوئی حدیث نہیں کہ **من کان لہ امام فقراۃ الامام قراۃ لہ**۔ یعنی جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرات ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ تو چاہیے کہ پہلی حدیث کو ترجیح ہو کیونکہ دوسری حدیث صرف امام اعظم سے مروی ہے۔ اور امام اعظم کو حدیث نہیں آئی تھی۔ اس لئے ان سے روایات بہت کم ہیں۔ نیز اس پر دار قطنی نے جرح کی ہے۔

الجواب

امام کے پیچھے مقتدی کو قراۃ کرنا حنفیوں کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ جس پر قرآن کریم احادیث صحیحہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال گواہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون** جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اس آیت میں تلاوت قرآن کریم کے وقت دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا۔ اور یہ حکم مطلق تلاوت کا ہے۔ لہٰذا تلاوت امام بھی بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس تلاوت سے مراد صرف جمعہ کا خطبہ ہے۔ وہ درست نہیں کہتے' چند وجہ سے' ایک یہ کہ آیت مکیہ ہے اور خطبہ کی فرضیت مدنی ہے لہٰذا اس آیت کے نزول کے وقت خطبہ تھا ہی نہیں دیکھو تفسیر خازن۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ مان لیا جاوے تب بھی یہ حکم خطبہ پر محدود نہ ہو گا۔ بلکہ خطبہ نماز سب کو شامل رہے گا تا کہ عام میں بلاوجہ تخصیص نہ ہو جاوے بلکہ خطبہ اسی لئے اس آیت میں داخل ہے کہ اس میں تلاوت قرآن ہوتی ہے۔ تو نماز بھی اسی وجہ سے اس آیت میں داخل رہے گی۔ تیسرے یہ کہ خطبہ میں تلاوت قرآن سنت ہے۔ فرض نہیں اور نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے۔ لہٰذا بمقابلہ خطبہ کے نماز کا اس آیت میں داخل ہونا قوی تر ہے۔ چوتھے اس لئے کہ آیات میں نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ سے ثابت ہے۔ تو آیت اگرچہ خطبہ کے لئے آئی ہو۔ مگر چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں۔ لہٰذا نماز کو بھی شامل ہو گی۔ اس آیت کا عموم دیکھ کر علمائے نے حکم دیا کہ خارج نماز بھی تلاوت قرآن کے وقت خاموشی اور سننا فرض کفایہ ہے کیونکہ آیت عام ہے طلباء کی تعلیم کا حکم اس سے خارج ہے کیونکہ وہاں تلاوت نہیں ہوتی تعلیم ہوتی ہے۔ اسی لئے تلاوت کے وقت اعوذ پڑھنا ضروری ہے۔ تعلیم کے وقت منع (شامی) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نماز میں کلام کرنے سے روکا گیا ہے۔ نہ کہ سورہ فاتحہ سے۔ مگر یہ

بھی غلط ہے کہ نماز میں کلام کرنا اس آیت سے منسوخ ہوا ہے۔ **وقوموا للہ قانتین۔** جیسا کہ مسلم باب نسخ الکلام فی الصلوۃ اور بخاری باب العمل فی الصلوۃ میں ہے اسی پر سارے مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے بھی آیت کی یہ ہی تفسیر ثابت ہے۔ اور قرآن کی تفسیر جو حدیث کرے۔ وہ دیگر تفاسیر سے قوی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس آیت سے نماز میں کلام کرنا منسوخ ہے تو وہ بھی اسی لئے منع ہے کہ اس سے قرآن سننے میں خرابی ہوگی۔ لہٰذا اس وجہ سے نماز میں قرات بھی منع ہوگی (تفسیرات احمدیہ) کیونکہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے قرآن سننے میں فرق پڑے گا۔

احادیث مسلم شریف باب التشہد میں ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے **جعل الامام لیؤتم بہ فاذاکبر فکبر وا و اذا اقرء فانصتوا۔** جب امام قرات کرے تو خاموش رہو۔ کبیری نے بروایت صحیحہ بشرط شیخین حضرت جابر ابن عبداللہ و عبداللہ ابن مسعود وغیرہم سے مختلف اسنادوں سے نقل فرمایا کہ **قراۃ الامام لہ قراۃ** امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے اگر اس قسم کی اور بہت سی احادیث مختلف اسناد سے دیکھنا ہوں' تو مؤطا امام محمد اور طحاوی دیکھو اکثر صحابہ کرام کا بھی یہ ہی قول ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ اسے امام کی قرات کافی ہے۔ خود ہی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے۔ قاسم بن محمد انہیں حضرات میں سے ہیں جو امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نماز میں خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے (امام کی قرات سننا) امام کی قرات کافی ہے یہ ہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے قرات کرے میں چاہتا ہوں کہ اس کے منہ میں آگ بھر دوں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ کاش امام کے پیچھے قرآن پڑھنے والے کے منہ میں انگارا ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جو

امام کے پیچھے قرات کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ تمام روایتیں اور اس کے علاوہ بہت سی روایات مع اسناد موطا امام محمد اور طحاوی شریف میں ملاحظہ کرو۔ عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جو امام کے پیچھے قرات کرے وہ غلطی کرتا ہے۔ دیکھو فتح القدیر۔ غرضیکہ صحابہ کرام کے اقوال بے شمار ہیں۔ اسی لئے شامی جلد اول کتاب الصلوۃ باب القرات میں قزائنی و کافی سے نقل فرمایا کہ امام کے پیچھے قرات کرنے کی ممانعت اسی (۸۰) صحابہ کرام سے منقول ہے۔ جن میں علی المرتضٰی اور عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں اور محدثین نے ان اسی کے نام بھی جمع فرمائے۔ عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ مقتدی پر قرات واجب نہ ہو چند وجوہ سے ایک یہ کہ نماز میں جیسے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ ویسے ہی سورۃ ملانا بھی ضروری ہے اور سورۃ ملانا تو مقتدی پر لازم نہیں بلکہ اس میں امام کی قرات کافی ہے۔ ایسے ہی سورت فاتحہ میں امام کی قرات کافی ہونی چاہیے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص رکوع میں امام کے ساتھ ملے اس رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہوتی۔ تو رکوع ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ جیسے کہ تکبیر تحریمہ یا قیام یا رکوع نہ ملنے سے رکعت نہ ملتی۔ اگر کوئی مقتدی رکوع میں شرکت کرتے وقت تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ یا سیدھا رکوع میں چلا جائے اور بقدر تکبیر تحریمہ قیام نہ کرے تو رکعت نہیں پاتا۔ معلوم ہوا کہ اس مقتدی کے لئے امام کی قرات کافی ہوگی۔ تو چاہیے کہ دوسرے مقتدیوں کے لئے بھی امام کی قرات کافی ہو۔ تیسرے یہ کہ بادشاہ کے دربار میں شاہی آداب سب بجالاتے ہیں۔ اس کو سلام مجرا سب ہی عرض کرتے ہیں۔ مگر اس سے کلام صرف وفد کا امیر کرتا ہے ہر شخص کا بولنا بے ادبی میں شمار ہے۔ اسی طرح جماعت کی حالت میں مسلمانوں کا وفد رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو نماز کے افعال جو آداب شاہی ہیں سب بجالاویں۔ سبحان رکوع و سجود کی تسبیحیں التحیات وغیرہ سب پڑھیں۔ کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے۔ رہی مخالفوں کی پیش کردہ حدیث یعنی **لا صلوٰۃ** الخ جو بخاری نے روایت کی۔ ان جیسی تمام احادیث

میں چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ یہ حدیث دو طرح قرآن کے خلاف ہے ایک اس طرح کہ قرآن شریف امام کی قرات کے وقت خاموش رہنے اور کان لگا کر سننے کا حکم دے رہا ہے۔ **فاستمعوا له وانصتوا** اور یہ حدیث اس وقت قراۃ کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا نماز میں فرض ہے جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ مگر قرآن شریف فرماتا ہے کہ قرآن کا جو حصہ بھی آسانی سے پڑھ لیا جائے۔ نماز ادا ہو جائے گی۔ **فاقرء واما تیسر من القران**۔ جس قدر قرآن آسان ہو وہ نماز میں پڑھ لو لہٰذا اب اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں کہ جس سے قرآن و حدیث میں اتفاق ہو جائے اور مخالفت نہ رہے اور وہ اس طرح کہ لا صلوٰۃ کے معنی یہ کئے جاویں کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے نہیں ہوتی یعنی کامل نہیں ہوتی۔ یعنی مطلق قراۃ قرآن تو فرض ہو اور سورۃ فاتحہ واجب رہے۔ جیسے دوسری روایت میں ہے۔ کہ **لا صلوٰة لجار المسجد الا فی المسجد**۔ جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز گھر میں نہیں ہوتی۔ یعنی کامل نہیں ہوتی۔ اب **فاقرءوا ما تیسر من القران**۔ والی آیت اور اس حدیث میں مخالفت نہ رہی دوسرے **لم یقرء بفاتحة الکتاب** میں قرات حکمی اور حقیقی عام قراۃ مراد ہو یعنی اگر امام قرات کرے اور مقتدی کی بھی قرات حکمی ہو گئی۔ اب اس حدیث پر عمل بھی ہو گیا اور وہ خاموش بھی رہا۔ لہٰذا قرآن پر بھی عمل ہو گیا۔ دوسرے یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے۔ **فاذا قرء فانصتوا** لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں اسی طرح اجتماع کر لینا ضروری ہے۔ تا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث مقتدی کے حق میں ظاہر ہے نص نہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث **فاذا قرء فانصتوا** مقتدی کے حق میں نص ہے۔ یعنی مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا بطور ظاہر ضروری ہے اور بطریق نص منع ہے اور جب ظاہر و نص کا تعارض ہو تو نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث مقتدی کے لئے وارد ہوئی ہے۔ چوتھے اس طرح کہ لا صلوٰۃ کی حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے۔ جس سے

مقتدی نکالا گیا ہے اور منفرد باقی رکھا گیا ہے اور اس کی مخصص ہماری پیش کردہ احادیث ہیں چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں لمن لم یقرء کے من سے مراد منفرد ہے اور حدیث اس کے بارے میں ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔ اس لئے تفسیرات احمدیہ اور احکام القرآن میں بحوالہ مؤطا امام مالک کے اس حدیث کو اس طرح نقل فرمایا۔ **لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب والسورۃ** یعنی بغیر سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ کے نماز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ مقتدی پر دوسری سورۃ پڑھنا واجب نہیں اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی واجب نہیں ہے تو جیسے یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے۔ ایسے تمہاری پیش کردہ حدیث بھی منفرد ہی کے لئے ہونی چاہیے بہرحال اس حدیث سے تمہارا استدلال غلط ہے کیونکہ اس میں اس قدر احتمالات موجود ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث **قراۃ الامام لہ قراۃ** ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری پیش کردہ یہ حدیث بہت سی اسناد سے مروی ہے۔ دیکھو طحاوی شریف اور ایک اسناد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث ضعیف نہیں ہو جاتا (**نخبۃ الفکر**) اس کی تمام اسنادیں ضعیف نہیں دوسرے یہ کہ اگر حدیث چند اسنادوں سے مروی ہو اور وہ ساری اسنادیں ضعیف ہوں تو زیادتی اسناد کی وجہ سے متن حدیث ضعیف نہیں رہتا۔ بلکہ حسن بن جاتا ہے اور حسن سے دلیل پکڑنا جائز ہے۔ (شامی) تیسرے یہ کہ کسی اسناد میں مجہول جرح حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اگر کوئی محدث فرمادیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس سے حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی۔ جب تک کہ محدث یہ نہ فرمادیں کہ اس اسناد کا فلاں راوی ضعیف ہے اور راوی کے ضعف کی یہ وجہ ہے۔ چوتھے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہم کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ امام ابو حنیفہ تک صحیح پہنچی تھی۔ چونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب تھا۔ اس لئے اس وقت احادیث کم ضعیف ہوتی تھیں۔ بعد میں اسنادوں میں ضعیف راوی شامل ہوتے گئے۔ اسنادیں ضعیف ہوتی گئیں۔ لہٰذا بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں پانچویں یہ کہ

اگر ضعیف حدیث کو کوئی بڑا محدث یا فقیہ قبول فرمالیں تو وہ حدیث حسن بن جاتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا کسی حدیث کو قبول فرمالینا اس کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔ دیکھو اصول حدیث۔ چھٹے یہ کہ اگر یہ حدیث **قراۃ الامام لہ قراۃ** ضعیف بھی ہو۔ تب بھی تمہیں مفید نہیں کیونکہ حدیث **واذا قرا فانصتوا** مسلم کی روایت ہے اور بالکل صحیح ہے۔ نیز قرآن شریف سے اس کی تائید ہے۔ بہر حال امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اور خاموش رہنا واجب۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

احمد یار خاں غفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جہری میں سورہ فاتحہ ختم ہونے پر امام اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا چاہیے یا بلند آواز سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے کہنا چاہیے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کہتے تھے۔ روایات میں ہے۔ **مد بھا صوتہ**۔ نیز صحابہ کرام اتنی بلند آواز سے آمین کہتے تھے کہ مسجد میں شور مچ جاتا تھا۔ کیا یہ روایات درست ہیں۔ اگر درست تو ان کا جواب کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز میں آمین امام و مقتدی دونوں کو آہستہ کہنا چاہیے زور سے آمین کہنا خلاف سنت بلکہ مکروہ ہے۔ دلائل یہ ہیں۔

(۱) آمین قرآن شریف کا لفظ نہیں ہے بلکہ دعا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ یا اللہ قبول فرما اس پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ آمین دعا ہے۔ اسی لئے اسے قرآن شریف میں لکھا نہ گیا۔ نیز ایک موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ فرعون

ہلاک ہو جاوے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ رب تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا کو قبول فرمایا۔ ارشاد ہوا۔ **قد اجیبت دعوتکما۔** اللہ نے تم دونوں کو دعائیں قبول کرلیں۔ حضرت ہارون کی دعا کیا تھی۔ یہ ہی آمین۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ مانگنا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ادعوا ربکم تضرعا خفیۃ۔** اپنے رب سے آہستگی اور زاری سے دعا مانگو۔ نیز فرماتا ہے۔ **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔** لوگ آپ سے میرے بارے میں جب پوچھیں۔ تو ان سے فرما دو کہ میں قریب ہوں' دعا مانگنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہوں۔ جب وہ دعا کرتے ہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ دعا مانگنے والے کو چیخنے کی زحمت گوارا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چپکے سے دعا مانگو۔ لہٰذا آمین بھی چپکے سے کہو۔

(۲) مشکوۃ شریف باب القراۃ فی الصلوۃ میں ہے۔ **اذا قال الامام والا الضالین فقولوا امین فانہ من افق قولہ قول الملئکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (بخاری شریف)** جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتہ کی آمین کے موافق ہو گی۔ اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ جب معاف ہوں گے جب ہماری آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو گی اور فرشتے تو آمین آہستہ کہتے ہیں جو ہم کو نہیں سنائی دیتی تو ہم کو ابھی آہستہ ہی آمین کہنی چاہیے۔ ورنہ فرشتوں کی مخالفت ہو گی۔ خیال رہے کہ یہاں وقت کی موافقت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتوں کی آمین کا وقت تو یہ ہی ہے۔ کیفیت میں موافقت مراد ہے یعنی آہستہ ہو۔

(۳) امام احمد ابوداؤد' طبرانی اور دار قطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت وائل ابن حجر نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور ﷺ نے سورہ فاتحہ فرمائی تو آمین کہا۔ **واخفی بھا صوتہ** اور آہستہ آواز سے آمین کہا۔

(۴) طبرانی نے تہذیب میں اور طحاوی نے اور ابن جریر نے اور ابو حفص بن شاہین نے حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں نہ تو بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

(۵) امام محمد علیہ الرحمہ نے آثار میں اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ اعوذ، بسم اللہ، سبحان، آمین۔

(۶) طبرانی نے کبیر میں ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں اعوذ، بسم اللہ، آمین بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

(۷) عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔

(۸) یہ ہی حدیث منتخب کنز العمال میں ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(۹) ابوداؤد، ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے وائل ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ نے **غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**۔ پڑھا اور آمین فرمایا **وخفض بھا صوتہ**۔ آمین میں اپنی آواز شریف پست رکھی۔

(۱۰) بیہقی نے ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے **بسم اللہ۔ ربنا لک الحمد۔** آمین اور اعوذ باللہ۔

(۱۱) دارمی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب قاری کہتا ہے **ولا الضالین** تو آسمان کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں جس کی آمین ان کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ ان احادیث کی پوری تحقیق صحیح البہاری میں ملاحظہ کریں۔

عقلی دلیل

نماز کی ساری دعائیں' دعائے قنوت' دعائے ماثورہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں چونکہ آمین بھی ایک دعا ہے چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کہی جاوے۔ نیز نماز میں سواء تکبیروں اور تلاوت کے کوئی ذکر بلند آواز سے نہیں کرتے اور آمین بھی ان کے علاوہ ہے۔ چاہیے کہ یہ بھی آہستہ کہی جاوے۔ معترض کی پیش کردہ حدیثوں میں چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ آمین بالجہر کے مقابل قرآن کی آیت ہے کہ قرآن دعا آہستہ مانگنے کا حکم دے رہا ہے اور یہ احادیث بلند آواز سے آمین کہنے کا حکم دے رہی ہیں۔ لہٰذا قرآن کو ترجیح ہونی چاہیے۔

دوسرے یہ کہ جب احادیث کی چھان بین کی جاوے تو آمین بالجہر کی احادیث میں صرف وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح ہے۔ جس میں ہے **مدبها صوته**۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بلند آواز سے آمین فرماتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آواز کھینچ کر آمین کے الف اور میم کی مد سے ادا فرماتے تھے۔ کیونکہ اس میں لفظ صوت ہے اور صوت آہستہ و بلند ہر طرح کی آواز کو کہتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ انہی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صراحتہً آچکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آمین فرماتے تھے تو یقیناً اس روایت میں بھی صوت سے آہستہ آواز ہی مراد ہونی چاہیے تاکہ ایک راوی کی روایتیں متعارض نہ ہوں۔

چوتھے یہ کہ جن روایتوں میں جہر کے الفاظ منقول ہیں اولاً" تو وہ اسناد کے اعتبار سے صحیح نہیں دوم ان کے راویوں نے روایت بالمعنی کی ہے یعنی **مدبها صوته** کا جہر سے کر دیا ہے اور صوت کے معنی وہ ہیں جو ہم نے عرض کر دیئے۔

پانچویں یہ کہ جب حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس سے حدیث کو ترجیح دی جاتی

ہے۔ یہاں آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا اور آہستہ آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے مطابق' لہذا آہستہ کی احادیث کو ترجیح ہے۔

چھٹے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قرآن سے ترجیح پا رہی ہیں۔ لہذا ان پر عمل کرنا بہتر ہے۔

ساتویں یہ کہ ہو سکتا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں منسوخ ہوں اور آہستہ کہنے والی حدیثیں ناسخ لہذا یہ ہی قابل عمل ہیں۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین دین وفات کے بعد زندوں کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں کر سکتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ کے پیارے بندے اپنی زندگی میں اور بعد وفات کے خلق کی مدد فرماتے ہیں۔ بلکہ ان کے تبرکات اور ان کے نام سے مخلوق کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کافر مومن بنتا ہے۔ حضور کے ذریعہ سے رب تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور گناہ بخشتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما۔** اگر یہ مجرم اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آجاویں اور رب سے معافی چاہیں اور اے محبوب تم بھی ان کی شفاعت کرو تو یہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ اس آیت میں زندگی

شریف یا بعد وفات کی قید نہیں ہے۔ ہر وقت حضور کی بارگاہ میں جسمانی یا قلبی حاضری ضروری ہے۔ اسی لئے اب بھی فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ روضئہ انور پر جو حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام نے حضور کی معراج کی رات پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں (بخاری و مسلم) حالانکہ حضور کی معراج کے وقت موسیٰ علیہ السلام کو وفات پائے سینکڑوں سال ہو گئے تھے۔ جب بنی اسرائیل قوم جالوت سے لڑنے کے لئے گئے۔ تو رب نے انہیں ایک صندوق عطا فرمایا۔ جسے تابوت سکینہ کہا جاتا ہے۔ اس میں کیا تھا۔ قرآن فرماتا ہے۔ **فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک آل موسیٰ وال ھارون تحملہ الملئکۃ** اس میں موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے تبرکات نعلین شریف عمامہ شریف وغیرہ تھا۔ اس کے ذریعہ یہ لوگ دشمن پر فتح پاتے تھے۔ یہ تو وفات یافتہ بزرگان کے تبرکات سے مدد لینا ہے۔ مشکوۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے آپ سے بارش کی دعا کے لئے کہا تو فرمایا کہ نبی ﷺ کے روضہ انور کی چھت توڑ دو۔ تا کہ قبر شریف اور آسمان میں آڑ نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور فوراً بارش آگئی۔ غرضیکہ وفات یافتہ بزرگوں کی مدد کا مسئلہ نہایت ظاہر ہے۔ اس کی تحقیق دیکھنا ہو تو ہماری کتاب رحمت خدا بوسیلہ اولیاء میں دیکھو۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں بعض لوگ زمین گروی رکھ دیتے ہیں۔ قرض خواہ زمین کی پیداوار کھاتا رہتا ہے۔ پھر مقروض حسب موقعہ پورا قرض ادا کر کے زمین واپس لے لیتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ خالص سود ہے کیونکہ قرض خواہ اپنا قرض تو پورا وصول کرے گا باقی جو منافع زمین کا کھاتا رہا یہ قرض پر زیادہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ **کل قرض جر نفعا فھو ربوا**۔ جو قرض نفع دے وہ سود ہے۔ قرض خواہ جو کسی کی چیز گروی رکھے اس کی آمدنی بالکل نہیں کھا سکتا۔ بلکہ آمدنی بھی لاناتا" اپنے پاس رکھے گا اور ادائے قرض کے وقت وہ چیز اور یہ آمدنی کا روپیہ سارا واپس کرے گا۔ دیکھو شامی و عالمگیری۔ اس کے لئے ایسا کرنا چاہیے کہ حاجت مند قرض نہ لے اور زمین گروی نہ کرے بلکہ زمین کی بیع کر دے اور اس کی قیمت لے لے۔ لیکن بیعنامہ رجسٹری ہو جانے کے فوراً بعد خریدار کی طرف سے یہ اقرار نامہ رجسٹری کرا لے کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جس وقت یہ شخص (بائع) چاہے گا۔ میں اس زمین کو اتنی قیمت میں اس کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ یہ بیع وفا کی ایک قسم ہے یہ بالکل جائز ہے اور اب جو زمین کی آمدنی یہ شخص کھائے گا وہ حلال ہو گی کیونکہ یہ زمین اس کی اپنی ہو چکی۔ جن فقہاء نے بیع وفا کو ناجائز فرمایا ہے۔ وہ اس صورت میں ہے جبکہ واپسی کی شرط بیع میں داخل ہو۔ کیونکہ بیع بالشرط فاسد ہوتی ہے۔ یہاں واپسی کی پابندی بیع کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ علیحدہ اقرار نامہ ہے جیسے کوئی شخص باغ کی بہار خرید کر بعد میں درخت کرایہ پر لے لے اور بہار کے ختم ہونے تک درختوں سے فائدہ اٹھائے تو جائز ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

احمد یار خاں عفی عنہ

فتویٰ نمبر ۹۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو چاند کا اعلان ریڈیو پر ہو جاتا

ہے یا تار یا خطوط آ جاتے ہیں یا ٹیلیفون پر کسی سے دریافت کر لیتے ہیں یا ریل سے گزرتا ہوا مسافر کہہ جاتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ یا ٹیلیویژن پر اعلان ہو جاوے جس میں بولنے والی کی تصویر بھی سننے والے کے سامنے آ جاتی ہے یا اخبار میں شائع ہو جاتا ہے۔ کیا ان صورتوں میں چاند مان لیا جاوے گا اور اس اعلان پر روزہ یا عید کئے جا سکتے ہیں۔ جواب دلائل سے مزین ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل نے جن سات چیزوں کا ذکر کیا چاند میں ان میں سے کسی چیز کا اعتبار نہیں اور ان سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ نہ شرعی احکام اس پر مرتب ہوں گے کیونکہ چاند کے ثبوت کے لئے باخبر کی ضرورت ہے یا شرعی گواہی کی۔ اور خبر کی تصدیق شرعی لازم ہے اور گواہی میں وہ تمام شرطیں درکار ہیں جن کی شریعت نے قید لگائی ہے۔ قرآن کریم خبر کے بارے میں فرماتا ہے۔ **یایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا**۔ اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی سامنے آ کر بھی خبر دے تب بھی تحقیق ضروری ہے۔ ریڈیو' خط' اخبار وغیرہ میں یہ پتہ نہیں لگتا کہ کون خبر دے رہا ہے۔ پھر اس کو کیسے مانا جاوے۔ گواہی کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واشھدو اذوی عدل منکم**۔ اپنے میں سے دو عادلوں صالحوں کو گواہ بناؤ۔ فرماتا ہے۔ **فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشھداء** اگر دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بناؤ جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ معلوم ہوا کہ گواہی میں عدد کی بھی ضرورت ہے اور تقویٰ کی بھی قید۔ اخبار ریڈیو میں یہ شرطیں گم ہیں لہٰذا ان کا اعتبار کیسا۔ چونکہ آج کل اس مسئلہ کی بہت ضرورت ہے لہٰذا ہم کچھ تفصیل وار ان کی تمام صورتیں عرض کئے دیتے ہیں۔

چاند کی خبر: شعبان کی ۲۹ تاریخ کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک ہی شخص کا رمضان کے چاند کی خبر دینا کافی ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص بظاہر فاسق و بدکار نہ ہو۔ خواہ عورت کہہ دے یا مرد کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ یہ خبر صرف رمضان کے چاند میں قبول ہوگی جبکہ مطلع گرد آلود نہ ہو رمضان کے علاوہ دیگر چاندوں میں گردو غبار کی صورت میں دو عادلوں کی گواہی درکار ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو ہر چاند کے لئے اتنی بڑی جماعت درکار ہے۔ جن کا جھوٹا ہونا عقلاً" مشکل معلوم ہو۔ چنانچہ ملتقی الابحر میں ہے۔ **وقبل فی هلال رمضان خبر عدل ولو عبدا اوانثی او محدود فی قذف تاب ولا یشترط لفظ الشهادة وفی هلال الفطر وذی الحجة الشهادة حرین اوحر و حرتین بشرط العدالة ولفظ الشهادة۔** عالمگیری میں ہے۔ **ان کان فی السماء علة فشهادة الواحد علی هلال رمضان مقبولة اذا کان عدلا مسلماعا قلا بالغاحرا کان او عبدا۔** درمختار میں ہے۔ **وقبل بلاعلة جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن۔**

چاند کی شہرت: اس سے بھی چاند ہے۔ اسے فقہ میں خبر مستفیض کہتے ہیں اس خبر مستفیض کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی شہر سے ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی آوے اور کہے کہ فلاں شہر میں عام طور پر لوگ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہو گا۔ درمختار میں ہے۔ **نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخری لزمهم علی الصحیح من المذهب** مجمع الانہر میں ہے۔ **الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذاستفاض فی بلدة اخری وتحقق یلزمهم حکم تلک البلدة۔** اس کو خواہ خبر متواتر کہو یا خبر مشہور کہو قبول ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ ہم سے بیان کرنے والی پوری جماعت ہو۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شہر سے بڑی جماعت آکر کہے فلاں شہر میں وہاں کے حاکم شرع یا فلاں مفتی

نے چاند کی گواہی لے کر عید کا فتویٰ دے دیا۔ یا وہاں فلاں دن روزہ ہوا یا عید ہوگی۔ اس صورت میں بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا۔ اور اس شہر والوں کو بھی ماننا پڑے گا۔ شامی کتاب الصوم میں ہے۔ **قل الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی فی تلک البلدۃ جماعات متعدودن کل منھم یخبر عن اھل۔ تلک البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ۔** اس صورت میں بھی شرط یہ ہی ہے کہ جماعت کثیرہ ہم سے آکر کہے اخبار یا ریڈیو جماعت کثیرہ نہیں۔ غرضیکہ ریڈیو' اخبار' تار وغیرہ کی خبریں شرعاً" قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں قبول کی شرعی شرطیں موجود نہیں۔

چاند کی گواہی: شریعت میں اس گواہی کی چند شرطیں ہیں۔ کہ اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو گواہی قبول نہیں اول گواہ کا مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بینا ہونا (۴) بولنے والا ہونا (۵) عادل یعنی نیک و صالح ہونا (۶) قاضی اور گواہ کا ایک جگہ ہونا (۷) عاقل ہونا (۸) مشہود بہ کو دیکھنا (۹) لفظ اشہد کا بولنا (۱۰) نصاب شہادت کا پورا ہونا۔ ان شرطوں میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی جاوے۔ تو گواہی شرعاً" معتبر نہیں۔ ترمذی شریف میں ہے۔ **وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجوز شھادۃ خائن ولا خائنۃ ولا مجلود حدا ولا ذی غمر علی اخیہ ولا ظنین فی ولاء ولا قرابۃ ولا القانع مع اھل البیت** (مشکوۃ باب الشہادۃ) اسی طرح ابوداؤد شریف میں ہے وہاں اتنی اور زیادتی ہے **ولا زان ولا زانیۃ** (مشکوۃ) شامی باب الشہادت میں ہے گواہی کے شرائط میں فرماتے ہیں۔ **فھی الحریۃ والبصر والنطق واعدالۃ وان لا یکون محدوداً فی قذف وان لا یحر الشاھد الی نفسہ مغنماء۔** عینی شرح کنز الدقائق میں ہے۔ **شرط لکل ایضًا العدالۃ لانھا ھی المعینۃ الصدق قال اللہ تعالٰی واشھدوا ذوی عدل منکم وقال اللہ تعالٰی ممن ترضون من الشھداء والعدل وھو المرضی وھی شرط لزوم العمل للشھادۃ۔** فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **امارکنھا فلفظ اشھد بمعنی الخبر دون القسم** قدوری میں

ہے۔ فان لم یذکر الشاهد لفظة الشهادة وقال اعلم اواتيقن لم تقبل شهادته۔ عالمگیری و شامی میں ہے۔ والعدد فی الشهادة فيما يطلع عليه الرجال واتفاق الشاهدين ملخصا۔

غرضیکہ گواہی میں ان دس شرطوں کی ضرورت ہے اور ریڈیو پر بولنے والا نہ تو گواہی کالفظ بولتا ہے اور نہ متقی صلح ہونا اس کا یقینی ہے کیونکہ ہم کو تو دکھائی ہی نہیں دیتا کون بول رہا ہے۔ نہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے۔ قاضی صاحب پشاور میں ہے۔ اور ریڈیو والا کراچی میں۔ نہ وہاں گواہی کا نصاب ہے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے چاند خود دیکھا۔ بلکہ صرف خبر دیتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ لہٰذا ریڈیو کا یہ اعلان ناقابل عمل۔ خبر معتبر کی شرطیں ہم پہلے عرض کر چکے۔

گواہی کے اقسام: گواہی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اصل واقعہ کی گواہی۔ دوسرے گواہی پر گواہی۔ تیسرے قاضی کے فیصلہ کی گواہی۔ یعنی شہادت علی القضاء۔

واقعہ کی گواہی میں تو وہ شرائط ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ اور گواہی پر گواہی کی شرط یہ بھی ہے کہ جب گواہ نے خود تو چاند نہیں دیکھا مگر دو آدمیوں عادلوں نے ان کے سامنے گواہی دی ہو اور انہیں اپنی گواہی پر گواہ کیا ہو۔ یہ دونوں قاضی کی مجلس میں آکر اس طرح گواہی دیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں ابن فلان اور فلاں ابن فلاں نے انتیس تاریخ کا چاند دیکھا۔ اور ہر ایک نے ہمیں اپنی اپنی گواہی پر گواہ بنایا۔ اس سے بھی چاند کا ثبوت ہو جاوے گا۔ چنانچہ تنویر الابصار میں ہے۔ الشهادة على الشهادة مقبولة وان كثرت وكيفيتها ان يقول الاصل مخاطب للفرع اشهد على شهادتى انى اشهد بكذا ويقول الفرع اشهدان فلانا اشهدنى على شهادته بكذا اوقال لى اشهد على شهادتى بذالک (ملخصًا) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وينبغى ان يذكر الفرع اسم الشاهد الاصل واسم ابيه واسم جدة حتى لو ترک ذالک فالقاضی لايقبل شهادتهما كذا فی الذخيرة۔

شهادة علی القضاء میں شرط یہ ہے کہ کسی شہر کے مفتی و قاضی کے پاس عادل گواہ آ کر یہ گواہی دیں۔ کہ فلاں شہر کے مفتی یا قاضی کے پاس ہماری موجودگی میں دو عادل گواہ آئے اور انہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان مفتی صاحب نے ان کی گواہی سے چاند کا حکم فرما دیا۔ اب اس شہر کے مفتی صاحب بھی اس گواہی قضا پر چاند کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ مجمع الانہر میں ہے۔ **قالوا لورای اهل المغرب هلال رمضان یجب برؤیتهم علی اهل المشرق اذا ثبت عندهم بطریق یوجب کما لوشهد واعند قاض لم یر اهل بلدة علی ان قاضی بلدکذ اشهد عنده شاهدان برؤیة الهلال فی لیلة کذا وقضی القاضی بشهادتهما جاز لهذا القاضی ان یقضی بشهادتهما لان قضاء القاضی حجة وقد شهدابه۔** اور ظاہر ہے کہ ریڈیو میں یہ بھی صورت نہیں ہے۔ وہ محض ایک خبر دیتا ہے کہ اگر یہ ہی دو آدمی یہ کہیں کہ فلاں جگہ کے قاضی کے سامنے گواہیاں گزریں اور قاضی صاحب نے چاند کا حکم دے دیا مگر ہم گواہیوں کے وقت موجود نہ تھے۔ تو یہ گواہی اس دوسرے قاضی یا مفتی کے لئے کافی نہیں اور نہ ہی یہ قاضی چاند کا حکم دے سکتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ **نعم الشهادة بقضاء القاضی صحیحة وان لم یشهد هما القاضی علیه وقیده ابو یوسف بمجلس القضاء وهو الاحوط ذکره فی الخلاصة۔**

چاند کی افواہ: اگر شہر میں یہ خبر اڑ گئی کہ چاند ہو گیا۔ مگر جس سے پوچھو وہ یہ ہی کہتا ہے کہ سنا ہے کہ چاند ہو گیا۔ دیکھنے والے کا پتہ نہیں چلتا۔ وہاں کوئی مفتی نہیں ہے یا اگر ہے تو لوگ اس کی بات مانتے نہیں خواہ مخواہ نقارہ یا گولا چلا دیتے ہیں۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ چنانچہ شامی میں ہے۔ **مجرد اشیوع من غیر علم بمن اشاعة فمثل هذا لاینبغی ان یسمع فضلا ان یثبت (ملخصا)**

اخبار، خطوط، ٹیلیفون، تار، ریڈیو وغیرہ: اگر اخبار میں کسی مہینہ کی انتیس ۲۹

تاریخ کے حساب سے تاریخیں پڑھی ہوں۔ یا یہ خبر شائع ہوئی ہو کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا۔ تو اس سے چاند کا ثبوت نہ ہو گا۔ اولاً" تو اخباری خبریں بسااوقات گپ نکلتی ہیں اور اگر یہ خبر درست بھی ہو تو بھی بغیر تحقیق قابل قبول نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے۔ **فانهم لم يشهد وابالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم** اسی طرح کہیں سے خط آجاتا ہے کہ یہاں چاند ہو گیا۔ معتبر نہیں۔ کیونکہ **الخط شبه الخط فلم يحصل العلم** ایک خط دوسرے خط سے مل جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے علم حاصل نہ ہو گا۔ درمختار میں ہے۔ **لا يعمل بالخط' الاشباه والنظائر** میں ہے **لا يعتمد على الخط ولايعمل به۔ مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر** میں ہے۔ **والخط يشبه الخط۔** فتاوی عالمگیری میں ہے۔ **الكتاب قد يفتعل ويزدرو الخط يشبه الخط والخاتم يشبه الخاتم۔** قاضی خاں میں ہے۔ **القاضى انما يقضى بالحجة والحجة هى البينة والاقرار۔ اما الصك لا يصلح حجة لانما الخط يشبه الخط۔** غرضیکہ فقہاء کے نزدیک خط' مہر' تحریر پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے تار اور ٹیلیفون تو بالکل ہی قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں نہ بولنے والا سامنے ہوتا ہے نہ اس کی تحریر نہ معلوم کون بول رہا ہے۔ **ھدایہ** میں ہے۔ **ولو سمع من وراء الحجاب لا يجوز ان يشهد ولوفسر للقاضى لا يقبله لان النغمة تشبه النغمة فلم يحصل العلم** معلوم ہوا کہ جہاں گواہ پردے کے پیچھے ہو تو گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ ایک آواز دوسری آواز سے بھی مل جاتی ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ **ولو سمع من وراء الحجاب لا يسعه ان يشهد لاحتمال ان يكون غيره اذا النغمة تشبه النغمة۔**

ریڈیو: جو خرابیاں اور دشواریاں تار و ٹیلیفون میں ہیں۔ اس سے زیادہ دشواری ریڈیو میں موجود ہے۔ کیونکہ ریڈیو میں بھی خبر نہیں ہوتی کہ بولنے والا کون ہے۔ مسلمان ہے یا کافر' مسلمان ہے تو فاسق ہے یا عادل اور اس نے کس ذریعہ سے یہ خبر حاصل کی۔

اس کے علاوہ تار و ٹیلیفون پر سوال پر جواب بھی کر سکتے ہیں۔ مگر ریڈیو پر کچھ نہیں کر سکتے۔ تار' ٹیلیفون ہر قصبہ و گاؤں میں پہنچ سکتا ہے۔ مگر ریڈیو ہر جگہ نہیں سنا جاتا۔ تار ٹیلیفون ہر جگہ سے دیا جا سکتا ہے مگر ریڈیو کی اطلاع ہر جگہ سے نہیں دی جا سکتی۔

غرضیکہ یہ نئے آلات خبر رسانی میں تو کام آ سکتے ہیں۔ مگر شرعی شہادتوں میں معتبر نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے آج کچہریوں کے مقدمے ریڈیو یا تار ٹیلیفون کی خبروں پر فیصلے نہیں ہوتے۔ بلکہ گواہ کچہری میں بلائے جاتے ہیں۔ اور باقاعدہ گواہی لی جاتی ہے۔ پھر فیصلہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ جب دنیاوی جھگڑوں کے فیصلے ریڈیو وغیرہ سے نہیں ہوتے تو دینی امور جن میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ خبریں کیسے معتبر ہو سکتی ہیں۔

ہاں اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی عالم حکومت کی طرف سے چاند کی تحقیق پر مقرر ہو تو وہ شرعی گواہی لے کر اپنے آپ یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ ریڈیو پر اپنے فیصلہ کا اعلان کرے کہ میں نے یہ تحقیق کر کے فیصلہ کیا ہے تو شاید معتبر ہو جائے۔ جیسے نقارہ اور گولہ کی آواز سن کر یا شہر کا چراغاں دیکھ کر آس پاس کے لوگ چاند مان لیں۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔ **قلت الظاهر انه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع او رؤية القناديل فى المصر لانه علامة ظاهرة تفيد عليه الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذالك لغير رمضان بعد اذ لا يفعل مثل ذالك عادة فى ليلة الشك الا لثبوت رمضان۔** لیکن ظاہر ہے۔ کہ اب تک حکومت کی طرف سے نہ اس چیز کا اہتمام ہوا ہے اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ اور اگر اہتمام کر بھی لیا گیا تو یہ صورت باقی نہ رہے گی۔ وہاں عالم کبھی مرزائی مقرر ہو گا۔ کبھی وہابی' کبھی چکڑالوی' پھر وہ عالم نہ معلوم کس طرح گواہی لے اور کس کی گواہی لے کر اعلان کرائے لہٰذا ریڈیو سے اعلان کا کوئی اعتبار نہیں۔

نوٹ ضروری: نہ معلوم موجودہ مسلمانوں کو چاند کا اتنا شوق کیوں پیدا ہو گیا ہے ہم کو شریعت نے اس کا مکلف نہیں کیا کہ ایسی مصیبتیں اٹھا کر خواہ مخواہ چاند مانیں اور

عیدو رمضان منائیں۔ ہم کو تو ہمارے آقا و مولیٰ حضور مصطفیٰ ﷺ نے نہایت آسان حکم دیا کہ ان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین۔ اگر چاند مشتبہ ہو جاوے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔ اس گنتی پوری کرنے میں نہ کچھ شک ہے نہ معیبت لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے موقعہ پر رمضان کے تیس دن پورے کرلیا کریں۔

خاتمہ: بعض لوگ جنتری کا بڑا اعتبار کرتے ہیں اور بعض لوگ چاند کو چھوٹا بڑا دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ چاند کل کا ہے یہ دونوں چیزیں غیر معتبر ہیں۔ چاند کا ثبوت جنتری سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے رویت ضروری ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا یرجع الی قول اھل الخبرۃ العدول ممن یعرف علم النجوم الصحیح انہ لا یقبل۔ طحطاوی میں ہے۔ وقولہ لیس بموجب شرعا فطرا ولا صوما نور الفلاح میں ہے۔ وقول اھل التوقیت لیس بموجب۔ مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔ لا یلتفت الی قول المنجمین۔ شامی میں ہے۔ لا یعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ۔ درمختار میں ہے۔ لا عبرۃ لقول الموقتین ولو عدولاً علی المذھب اسی طرح چاند بڑا ہونے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ من اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ (طبرانی) اسی طبرانی میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے۔ من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال لیلاً فیقال للیلتین۔ یعنی قرب قیامت کی علامات سے چاند کا بڑا ہو جانا ہے کہ ایک رات کے چاند کو کہا جاوے گا کہ یہ دو راتوں کا ہے۔ بہرحال سوا رویت یا گواہی یا خبر شائع کے اور کسی چیز سے چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

واللہ ورسولہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد والہ اصحاب اجمعین

احمد یار خاں عفی عنہ


مکتبہ اسلامیہ
لاھور